مقالہ

برائے پی- ایچ- ڈی-

قاضی عبدالستار
شعبۂ اردو
مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

T160

T160

MUSLIM UNIVERSITY LIBRARY ALIGARH

958

CHECKED 1996-97

CHECKED-2002

LIBRARY MA

Fed in Compute

فہرست

مقدمہ

باب اول — قنوطیت کیا ہے ۔ — ص ۵

باب دوم — تصوّف ۔ — ص ۲۵

باب سوم — ابتدائی عہد کے شاعر۔ — ص ۵۶

باب چہارم — میر و سودا ۔ — ص ۹۳

باب پنجم — نظیر اکبرآبادی ۔ — ص ۱۲۶

باب ششم — غالب و ظفر ۔ — ص ۱۴۱

باب ہفتم — لکھنؤ اسکول اور فانی ۔ — ص ۱۷۴

کتابیات ۔ — ص ۱۹۱

****
****
*****
***
*

مقدمه

مقدمہ

اس مقالے کا موضوع ہے "اردو شاعری مین قنوطیت" ہے - اس مقالے کی اہمیت کا اندازہ یون کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ صفحات مین اردو شاعری کا مخصوص نقطۂ نظر کے ماتحت تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے - اردو شاعری کا سلسلہ سترھوین صدی کے اختتام سے آغاز ہو کر آج تک دراز ہے اس طویل مدت کی شاعری پر ساری جزئیات کے ساتھ بحث کرنا طوالت بھی تھی اور ایک طور پر سعئی لا حاصل بھی - اس لئے ولی سے فانی تک ان اہم شعراء کو معرض بحث مین لایا گیا ہے جن کے کلام مین قنوطیت کی ہلکی یا گہری پرچھائیان ملتی ہین - بڑے شاعر نہ صرف بڑی شاعری کو معرض وجود مین لاتے ہین بلکہ اپنے دور کے ادب کو بھی متاثر کرتے ہین اور آئندہ کے لئے امکانات کو روشن کرتے ہین اسی لئے شعراء کا انتخاب کرتے وقت ان کے ادبی مرتبے کا لحاظ رکھا گیا ہے -

اس مقالے مین غزل کو باعتبار موضوع خصوصیت کے ساتھ مدّ نظر رکھا گیا ہے - غزل کے علاوہ قصیدہ مثنوی مرثیہ رباعی وغیرہ اور جتنے اصناف سخن ہین ان مین مرثیہ اور رباعی مین قنوطیت قابل اعتنا نہین ہے - مرثیہ ایک المیّہ ہے اس مین قنوطیت کو دخل نہین - رباعی کی بنیاد عموماً اخلاقی مضامین پر رکھی گئی ہے - ہرچند کہ حالی امجد حیدرآبادی یگانہ چنگیزی جوش ملیح آبادی اور روان وغیرہ نے اسے ایک صنف کی طرح اپنایا - تاہم اردو رباعی کوئی خیام پیدا نہ کرسکی - رباعی کے وہ تمام مضامین جن پر قنوطیت سایہ فگن ہوسکتی ہے غزل مین عام ہین - قصیدے مین "تشبیب" کے علاوہ تضحیک روزگار اور شہر آشوب جیسی نظمون مین قنوطی رنگ ابھرتا ہے جس کا ذکر مناسب مقامات پر کردیا گیا ہے - لیکن عام طور پر قصیدہ قنوطیت کا حامل نہین ہوتا -

مثنوی پر جن اہم شعراء نے طبع آزمائی کی ہے ان مین میر کا نام سر فہرست ہے - ہرچند میر نے "شعلۂ عشق" اور "خواب و خیال" وغیرہ مین قنوطی مسائل کا ذکر کیا ہے - تاہم چونکہ یہ مسائل مثنوی ہی تک محدود نہین ہین بلکہ پوری فن کاری اور تاثیر کے ساتھ ان کی بازگشت میر کی غزلون مین ملتی ہے اس لئے میر کی قنوطیت پر بحث کرتے ہوئے مثنویات کو زیر بحث نہین لایا گیا -

قنوطیت کی توضیح اور تشریح کے لئے ایک باب قائم کیا گیا ہے ۔ قنوطیت کے معنی اور مفہوم متعین کرنے میں اب تک حرف آخر کہیں نہیں ملا ۔ انگریزی زبان میں بھی اس موضوع پر زیادہ نہیں لکھا گیا ہے ۔ عموماً فلسفے کی تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا ہے ۔ قنوطیت کی توضیح کرتے ہوئے مغربی نقادوں نے بدھ مت کا بار بار حوالہ دیا اور بدھ مت کی قنوطیت کا بڑی شد و مد کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ ڈاکٹر راما کرشنن نے اپنی کتاب Indian Philosophy میں بدھ مت کو اس الزام سے بری قرار دینے کی لائق تحسین کوشش کی ہے ۔ لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہیں ۔

"اگر قنوطیت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے تو بدھ مت قنوطی ہے ۔ لیکن یہ حقیقی قنوطیت نہیں ہے ۔ بلکہ قنوطیت تو وہ ہے جو سارے امیدیں منقطع کرکے اعلان حقیقی کرتی ہے کہ یہ دنیا شر ہے ۔ اور اس کے بعد خیر کا وجود نہیں ہے"

مغربی ناقدین کی کثرت آرا مطابق قنوطیت وہ مسلک ہے ۔ جو دنیا اور زندگی کی نفی کرتا ہے ۔ ڈاکٹر راما کرشنن مغربی نقادوں کی اس تعریف کا ذکر فرماتے ہیں مگر اسے تسلیم نہیں کرتے ۔

قنوطیت کی فلسفیانہ اصطلاح سراسر مغربی ہے ۔ اور مغربی ناقدین کسی بھی روحانی مسرت کے حصول کے لئے دنیا اور زندگی کو مادّی صور پر تج دینے کو قنوطیت کہتے ہیں ۔ ڈاکٹر موصوف اس قنوطیت کو قنوطیت تسلیم ہی نہیں کرتے ۔ حالانکہ نفئی حیات کے اسباب کچھ بھی ہوں وہ نفئی حیات ہی رہے گی اور نفئی حیات قنوطیت ہے ۔

اردو شاعری میں قنوطیت فارسی ورثے کے علاوہ تصوّف کے واسطے سے بھی آئی ہے ۔ تصوّف نے یقیناً ابتدا میں انقلابی رول انجام دیا ہے ۔ لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس کے دقیق معانی و مطالب عجمی اور ہندی اثرات سے مملو ہو کر قنوطیت آمیز ہو گئے ۔ یہی عوام پر اس کا اثر قنوطی ہے ۔ جس کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے ۔

اردو کے ابتدائی قدیم شعراء کے یہاں قنوطیت واضح شکل میں نہیں ملتی ۔ بلکہ کہیں کہیں پرچھائیاں سی نظر آتی ہیں ۔ اس کا ایک سبب تو

سیاسی و معاشی حالات مین ہے اور دوسرا یہ کہ اس وقت تک فارسی کی شعری روایات بھرپور اور توانا انداز مین ریختے کا فکری عنصر نہ بن سکی تھین ۔

شعر مین قنوطیت کی نشو و نما خارجی آلام و مصائب کے علاوہ ذاتی رنج و محن کی بدولت بھی ہوتی ہے ۔ میر اور سودا کے جائزے مین اس بات کا ثبوت فراہم ہوجاتا ہے ۔

غالب اور ظفر کی قنوطیت بھی اپنے دور کی بیدردی اور افراد کی شکست کی دنا کای کی غمّاز ہے ۔

نظیر اکبرآبادی کا کلام عصری قنوطیت کی ایک اچھی مثال ہے ۔ نظیر فطری طور پر رجائی تھے ۔ اور ان کے کلام کے خاصے اہم حصّے پر یہ رنگ چھایا ہوا ہے ۔ لیکن چونکہ انھین بھی اپنے عہد کے دوسرے شعراء کی طرح جو شعری روایت ملی وہ قنوطی تھی ۔ اور خارجی صورپر وہ بھی ابتلاد مصیبت کے عہد مین پیدا ہوئے ۔ اس لئے اپنے کلام کو محفوظ نہ رکھ سکے ۔

دہلی کے زوال کے ساتھ ہی لکھنؤ کے عروج کی ابتدا ہوئی اور شعراء دربار کی روش پر عیش و نشاط کے مغنّی بن گئے ۔ اس طرح میر و غالب کی وہ روایت جس پر تصوّف کی چھاپ تھی ناسخ اسکول کے ہاتھون معدوم ہوگئی غدر کے بعد وہان کی شاعری مین نشاطیہ شاعری کا ردّ عمل ہوا ۔ غالب کے خیال کو میر کی زبان مین ادا کرنے کا شیوہ اختیار کیا گیا ۔ اس طرح لکھنؤ کی غزل مین قنوطیت کا احیا ہوا ۔ اس اسکول مین عزیز و ثاقب کے علاوہ سب سے بڑے شاعر فانی ہین ۔ فانی کو ہم مکمل قنوطی کہہ سکتے ہین ۔ شوپنہار کے جرمنی کی طرح فانی کا ہندوستان بھی سیاسی طور پر خوش آئند خواب دیکھ رہا تھا ۔ انکو مادّی آسودگی بھی میسر تھی ۔ باینہمہ وہ اردو کے قنوطی شاعر ہو کر رہے اسکا راز انکے ماحول مین نہین انکے مزاج مین ملے گا ۔

فانی ہی کے زمانے مین اقبال کا شہرہ بلند ہو چکا تھا اور اردو شاعری مین فکری طور پر ایک انقلاب رونما ہوا تھا ۔ انقلاب کی روایت ترقی پسند تحریک کے ہاتھون اور مضبوط ہوئی ۔ اقبال کی شاعری اور انجمن ترقی پسند مصنفین نے شعوری طور پر قنوطیت کا سدّ باب کیا ۔ ہرچند اس تحریک کے بڑے شاعرون مثلاً راشد جذبی اور مجاز وغیرہ کے یہان قنوطیت کی ہلکی ہلکی سی لہرین مل جاتی ہین ۔ لیکن انمین سے کسیکے یہان قنوطیت میلان یا مزاج نہ بن سکی اس لئے لائق اعتنا نہین ہے ۔

باب اول (قنوطیت کیا ہے)

Pessimism لاطینی لفظ Pessimus (بمعنی خراب ترین) سے مشتق ہے
یہ ایک فلسفیانہ مغربی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے زندگی اور دنیا
کے بارے میں ایک تاریک (یاس انگیز) نقطۂ نظر

قنوطیت رجائیت کے برعکس ہے۔ رجائیت کے نقطہ نظر کے مطابق یہہ
دنیا مجموعی طور پر خیر اور مسرت پر مشتمل ہے۔ ان دونوں اصطلاحوں
کی درمیانی کڑی Meloism ہے جسکی رو سے
باوجود اپنی تمام خرابیوں (زشت) کے دنیا اور زندگی ترقی کر رہی ہے
اور خیر کی منزل پر گامزن ہے۔

Pessimism کی توضیح اس طرح کی گئی ہے

(۱)

قنوطیت کے نظریے کے رو سے یہ دنیا تمام امکانی
دنیاؤں سے بدتر دنیا ہے۔ اگر کوئی اور دنیا ہوتی
تو وہ اس سے زیادہ پر الم اور بھیانک نہ ہوتی

(۲)

قنوطیت ایک ایسا یاس انگیز نقطہ نظر ہے جسکی رو سے
انسانی زندگی میں الم اور بدی کی بنیادیں ابدی ،
لافانی اور مستقل ہیں

(۳)

قنوطیت ایک رنجور اور مایوس آدمی کا نظریہ ہے۔ جس کی
نزدیک یہہ ساری دنیا دکھہ کا کارخانہ ہے اور یہہ
دنیا ایسی دنیا ہے جہاں ہر شئے فریب اور بندش ہے

---

1. Encyclopedia of Religion and Philosophy. p. 814

2. Vid James:- Varietus of Religions Experiences. p. 134.

3. George Galloway:- Philosophy of Religion p. 543.

(۱)

"قنوطیت کے نظریے کے مطابق یہہ دنیا تمام ممکنہ دنیاؤن مین بدتر ہے۔ یا مکمل طور پر پر الم اور زشت محض ہے"

(۲)

"قنوطیت ایک نظریہ ہے جو تسلیم کرتا ہے کہ یہہ دنیا مطلق بدی ، الم اور گرفتاری ہے"

اس طور پر قنوطیت کے معنی ایک ایسے نقطہ نگاہ کے ہین جس سے یہہ دنیا بدترین دنیا اور یہہ زندگی بنیادی طور پر مرضی ورکن قرار پاتی ہے لیکن ماضی قریب کے مفکر لفظ اور لہجے کے اعتبار سے قنوطیت کی تشریح و توضیح مین اعتدال اور نرمی سے کام لیتے ہین ۔ مثلاً

" قنوطیت ایک نظریہ ہے جسکی رو سے یہ دنیا بجائے خود مجموعی طور پر بری ہے۔ لیکن اس کے معنی یہہ نہین ہین کہ دنیا تمام ممکنہ یا امکانی دنیاؤن سے بدتر دنیا ہے جیسا کہ لوگ رجائیت کے پرچکی اسکے متعلق قیاس کرتے ہین ۔ قنوطیت کے معنی صرف یہہ ہین کہ یہ دنیا بری ہے اگر یہہ نہ ہوتی تو اچھا ہوتا "

اگر ممکنہ اور "امکانی دنیاؤن" کے الفاظ مندرجہ بالا جملے سے نکال دیے جائین اور صرف زندگی اور دنیا کے متعلق اس مقولے سے ایک رویے کا تعین کیا جائے تو بھی قنوطیت اپنے بنیادی معنی مین برقرار رہتی ہے ۔ کیونکہ دنیا اور زندگی یہان بھی بری ہے، شر محض ہے، بدی ہے۔ میرے نزدیک قنوطیت کی یہی تعریف جامع اور مکمل ہے۔ کیونکہ "ممکنہ" اور

---

1. Ward:- The Realm of Ends. p. 320

2. James Sully's Ressimism p. 9.

"امکانی دنیاؤن" کے الفاظ ایک حد تک گمراہ کن ہین ۔ اسلئے قنوطیت کے معنی اتنا سمجھناچاہئے کہ مجموعی طور پر یہہ دنیا اور زندگی مصیبت ہے نفی کا مفہوم (NEGATION) تو خود بخود پیدا ہوجائیگا کیونکہ کوئی صحتمند انسان کسی مصیبت ۔ کسی شر اور کسی بدی کو محض کسی مصیبت ۔ کسی شر اور کسی بدی کی خاطر اپنانا پسند نہ کریگا ۔ اتناہی نہین بلکہ اسکا بھی لحاظ رکھنا پڑیگا کہ کسی فلسفیانہ یا ادبی اصطلاح کے معنی علم الحساب کی طرح دو اور دو چار کے سے قطعی انداز مین نہین بیان کئے جاسکے ۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کہتا ہے

ا ۔ یہہ دنیا بری ہے
ب ۔ کاش مین پیدا نہ ہوا ہوتا
ج ۔ کاش مجھے موت آجاتی

ان جملون مین کوئی بنیادی لفظ مشترک نہین ہے لیکن ان کا جو تاثر ہمارے دل پر ہوتاہے وہ مجموعی طور پر تقریباً ایک ہے ۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہین کہ ان تینون جملون مین قنوطیت موجود ہے ۔

قنوطیت کی بنیاد عام طور سے جن سنگین حقائق پر رکھی جاتی ہے ان کی الم ناکی اور ابدیت کو کوئی بھی رجائی فلسفۂ حیات ختم نہین کرسکا ۔ بیماری ۔ موت ۔ بھوک ۔ پیاس ۔ دنیاوی دکھہ درد اور جذباتی ناآسودگیان وہ مسائل ہین جن کی تہ دی انفرادی دماغون مین قنوطیت کے بیج بوتی ہے ۔ قنوطی اپنے غمگین ذاتی تجربات اور اپنی گزشتہ و موجودہ شکستون سے اس درجہ متاثر اور مغلوب ہوجاتاہے کہ دنیا مین اسے ہر چیز دکھہ نظر آتی ہے ۔ کرب و کلفت جب نقطہ نظر بن کر آتا ہے تو قنوطیت کہلاتاہے ۔ جب انسان اپنی جبلی ضرورتون کی تکمیل کے سلسلے مین مستقل محرومیون اور پیہم ناکامیون کا شکار ہوجاتاہے اور جب یہہ محرومی اور ناکامی اسکی شخصیت کو تباہی اور بربادی کے راستون سے گذار کر موت کے دروازے پر لاکر کھڑا کر دیتی ہے اور جب وہی تھکا ہارا درماندہ انسان اپنے تجربات کے آئینے مین کسی نظام فکر کے گیسو سنوارتا ہے یا کسی انفرادی شکست کو آفاقیت کی قبا پہناتاہے یا تمام دنیا کو اپنے ذاتی ناکام تجربے کے کا

---

1. James Sully's Pessimism. I edn. p. 49.

کفن مین لپیٹ کر شعر و ادب کے ذریعہ ابلاغ کرتا ہے تو ہم اسے قنوطیت کہتے ہین - غم کا مستقل احساس و ادراک قنوطیت پر دلیل (۱) ہے یہہ کیفیت ذہنی اگر غیر منقطع طور پر موجود ہو تو ہم اسے قنوطیت کہینگے اس طرح ہم قنوطیت کو دو خانون مین بانٹ سکتے ہین

۱ - مدلل نظام فکر یا فلسفیانہ جواز -
۲ - فکر یا جذبے کا مستقل موڈ -

** مدلل نظام فکر یا فلسفیانہ جواز

مغربی فلاسفہ مین سب سے پہلے شوپنہار نے اس فلسفہ حیات پر مدلل بحث کی ہے - لیکن قنوطیت کے آثار ابتدائے آفرینش کی ارجمن تہذیبی کارنامون مین بھی کسی نہ کسی صورت مین پائے جاتے ہین - بدی کے وجود کا مسئلہ مصائب اور گناہ کا تعلق قدیم اسرائیلی صحیفے کا اہم موضوع ہے - وہ اسرائیلی مفکر جو Ecclesiastes کا مصنف ہے زندگی کی منفی قدرون کا راگ گاتا ہے اور اپنے ماتم کی تان "مایا" پر توڑتا ہے دنیا کے لئے "Vanity of Vanities" ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین " کا جملہ استعمال کرتا ہے - اپنے دعوے کے ثبوت مین پیغمبر کا قول نقل کرتا ہے کہ یہہ دنیا سرتاپا فریب ہے

** عالم دلیل گمرہی چشم و گوش ہے (فانی)

(۲)

" افلاطون نے مسرت کو مثبت قدر ماننے سے انکار کردیا - اس کے نزدیک مسرت نہ کوئی مثبت قدر ہے اور نہ اسکا انفرادی وجود ہے - بلکہ مسرت زندگی کی ایک جبلی طلب یا تشنگی کی سیرابی ہے یہی نہین بلکہ بعض جگہ افلاطون نے کچھہ ایسی باتین کہی ہین جن کا اثر سماجی زندگی کی برکات کے لئے مہلک ثابت ہوسکتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے

(۳)

سماج سے کنارہ کش رہ کر غور و فکر کی زندگی مبارک زندگی ہے "

---

1. James Sully's Pessimism I edn. p. 53
2. Philibus, the menth book of the Republic
3. Indian Philosophy by Dr. Radha Krishnan.

اس مقولے پر اگر دنیا کاربند ہوجائے تو عجیب و غریب نتائج برآمد ہونگے - یعنی سماج سے دوری کی تلاش پہلے دشت و صحرا کو آباد کیے گی پھر وہاں بھی ایک نئے سماج نئے نظام کو تشکیل پاتے دیکھکر نئے کوہ و صحرا کی جستجو میں سرگرم سفر ہو جائے گی -

افلاطون کے اثر سے نوفلاطونیت Neoplatonism اور رواقیین Stoics کے تصورات میں قنوطیت لاشعوری طور پر اپنے مدھم آب و رنگ میں پرورش پاتی ہے - یعنی ان فکر ہر دو نظام فکر نے انسان کی جبلّی فطرت اور جسمانی عشرت کی نہ صرف سختی سے مخالفت کی ہے اور انسان کو اپنی فطرت آرزوؤں کی آسودگی سے باز رکھا ہے بلکہ ان کو خیالی اور فکری اصولوں پر قربان کردیا گیا - یہہ قربانی بھی قنوطیت کے اثرات سے مملو ہے -

و لیکن تمام مذاہب اور تمام نظام ہائے فکر میں سب سے مکمل اور واضح قنوطیت بدھ مذہب میں ملتی ہے (۱) - تمام مغربی حکماء اس پر متفق ہیں کہ بدھ مذہب قنوطیت کا علمبردار ہے - یہی نہیں بلکہ ویدانتی فلسفہ ایک طرف بدھ قنوطیت کا سرچشمہ اور دوسری طرف بذات خود ایک قنوطی فلسفہ حیات ہے (۲) - قبل اسکے کہ ویدانتی فلسفہ حیات کا ذکر کیا جائے میں یہہ بات واضح کردوں جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں کہ قنوطیت سراسر مغربی فلسفیانہ اصطلاح ہے اس لئے ہمیں انہیں کے بنائے ہوئے اصول سے قنوطیت کے مفہوم کا تعین کرنا پڑیگا -

ازمنہہ قبل تاریخ میں جب آریہ ہندوستان میں وارد ہوئے اور انہوں نے دیسی ہندی قوم کو زیر کیا تو سندھ اور گنگا کے میدانوں میں آباد دراوڑی اقوام کی کثیر تعداد فاتحین کے لئے اپنی سرزمین چھوڑ کر دکن کو ہجرت کی گئی - لیکن پوری آبادی کا منتقل ہونا ممکن نہ تھا - اسلئے قیاس ہے کہ غالب قوم کے رحم و کرم پر ایک بڑا حصہ آبادی رہ پڑا ہوگا - فاتحین نے سماجی زندگی میں اس حصہ آبادی کو تقریباً غلام غلاما نہ حیثیت دی - مفتوح اقوام سے شادی بیاہ سختی سے ممنوع قرار پایا -

---

1. Encyclopedia of Religions philosophy. v. VII p. 815

2. James Sully's Pessemism. p. 51 (I edn).

آریاؤن کا رنگ گورا ۔ قد بلند اور خطوط سبک تھے ۔ برخلاف اسکے دراوڑی کالے ۔ کوتاہ قد اور بدھیئت تھے۔ اس لئے وسماجی عوامل جو دونون کے صدھا برس ایک ساتھہ رہنے سے وجود مین آئے ھین اور دونون قومون کو خلط ملط کردیتے ھین ۔ اس شدید نسلی معاشی اور تہذیبی تعصب کی فضا مین پیدا ھی نہ ھوسکے ۔ آریہ اپنی تہذیب ساتھہ لائے تھے۔ وہ تہذیب مغلوب قوم کی تہذیب سے فروتر ھوتے ھوے بھی فاتحین کی تہذیب تھی اسلئے نہ صرف غالب آگئی بلکہ اسنے دراوڑی اقوام کو سرے سے نظر انداز کردیا ۔ مغلوب اقوام کا بساط تہذیب سے اس طرح خارج کیا جانا ھندوستان کے طبقاتی نظام کی خشت اول ھے ۔ پھر تاریخی اور سماجی ارتقا کے طفیل چار عظیم ذاتون کا نشو و نما ھوا ۔ مذھبی خدمات برھمنون کے حصے مین آئین ۔ جنگی مہمات چھتریون کے اور تجارت ویش کے حصے مین ۔ اور ان ذاتون کی سیوا شودر کا مقدر بنی ۔ گمان غلب ھے کہ شودر کا طبقہ مفتوح اقوام کے افراد پر مشتمل ھوگا ۔ اس طبقاتی نظام مین مذھب کی گرفت اتنی سخت تھی کہ کسی طرح کی تبدیلی کا گمان بھی نہین کیا جاسکتا تھا ۔ مقدس کتبے شاھد ھین کہ یہہ تقسیم انسانی نہین ازلی اور آسمانی ھے۔ برھما نے اس عالم کو پیدا کیا اور ساری بنی نوع آدم کو جنم دیا وھی اس تقسیم کا بھی خالق تھا (۱) ۔

برھمن جسے سماجی برتری کا شرف حاصل تھا ۔ اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے تحفظ اور تکمیل کے لئے ۔ انسان کی ازلی بناوت کو کچلنے کے لئے اور تمام دنیاوی محرومیون کی تسکین کے لئے " آواگون " کا نظریہ رائج کیا (۲) ۔ دنیا کے تمام مذاھب نے " حیات بعد الموت " کے سانچے مین اخلاقی زندگی کی برتری کے خواب دکھلائے ۔ لیکن برھمن نے " حیات قبل از حیات " کا نظریہ پیش کیا ۔ جس کی رو سے یہہ جہان اور یہہ زندگی اپنے ھی نیک یا بداعمال کی موعودہ و مقررہ سزا و جزا ھے۔ ایک طرف تو یہہ نظریہ انسان کے اس فطری سوال کا کہ ھم برھمن یا شودر کیون پیدا ھوے جواب ھے۔ دوسری طرف اس زندگی کو عذاب مہ کی طرح جھیل کر آئندہ زندگی یعنی " حیات ۔

---

1. Hopkins:- The Religion of India. p. 356.

2. Myers:- History of past Ethes p. 97.

بعد الموت " کی امید مین صبر و قناعت اور محکومی و چاکری کا خوبصورت جواز ہے ۔

زندگی کے وہ فرائض و عوامل جو کسی نظریہ حیات کو رجحان یا قنوطی بناتے ہین اسی مقام سے قنوطی فضا اختیار کرتے ہین ۔ ایک مفلس اور مفلوک الحال شودر اسلئے زندگی کی سختی جھیل رہا ہے کہ اس نے اگلے جنم مین پاپ کئے تھے ۔ اور اب اگر اس نے " کرم " کے لکھے کو بدلنا چاہا تو وہ آئندہ جنم مین اس سے بھی زیادہ محنت و محن کی زندگی پائے گا ۔ دوسری طرف وہ ازلی خوش نصیب برہمن ہے جسکا درجہ سماج مین سب سے بلند ہے اس کے بارے مین " وید مقدس " کا نوید یہہ ہے

(۱)

" برہمن کو دنیا کی حقیر ضرورتون سے بے نیاز ہوکر مقدس وید کی تعلیم حاصل کرنا چاہئے جو اس کا اعلیٰ ترین فرض ہے ۔ اس نفس کشی اور ریاضت سے دن گزارنا چاہئے "

پھر " نفس کشی " اور " ریاضت " کی وضاحت ان الفاظ مین ہوتی ہے

(۲)

" برہمن کو ساری دنیاوی ضرورتین تپسیا کے ذریعے پھونک دینی چاہئے ۔ یہان تک کہ اسے موت آ جائے ۔ مرتے وقت اسے صرف آفاقی اور دوامی شخص (خدا) سے واصل ہونے کی طلب ہونی چاہئے ۔ اسطرح وہ عواطف سے پاک عالم مین غیر شخص (برہما) کا جزو ہوسکتا ہے اور صرف اسطرح وہ پیدائشون کی زنجیر سے نجات پاسکتا ہے ۔ یہی واحد اور مکمل نجات ہے "

یہہ ان پیدائشی پاک نژاد برہمنون کی راہ نجات ہے جو دنیا کی تمام عشرتون اور آسائشون کے وارث ہین ۔ یہہ دروازہ صرف برہمنون کے لئے کھلا ہوا ہے

---

1. Laws of Manu (Sacred books of the East) V.XXV. (1) p. 31,87.
2. " " " " " " " " "

تاہم دوسری ذاتون کے لوگ بھی نجات پاسکتے ہین ۔ مگر اس طرح

(۱)

" دوسری ذاتون کے صرف وہ لوگ بھہ نجات حاصل کرسکتے ہین ۔ جنھون نے اپنے گھربار چھوڑ دئے ہون ۔ جو بچون کی طرح رہتے ہون اور جنھون نے جو و تمام علائق ختم کرچکے ہون جو انھین دنیا سے کس طرح بھی وابستہ کرسکتے ہین "

ان دوسری ذاتون مین شودر کا شمار نہین کیا جاسکتا ہے کیونکہ برہمن کو حکم ہے

(۲)

" برہمن انھین (شودر) مذہبی تعلیم نہین دے سکتا ورنہ اس کی عاقبت بھی وہی ہوگی جو شودر کی قدر ہوچکی ہے "

اتنا ہی نہین بلکہ "اپنشد" کی رو سے بھہ دنیا مطلق اعتباری اور مجسم بدی ہے ۔

(۳)

" صرف آتما کا وجود ہے باقی جو کچھہ بھی ہے ایک پرچھائین ہے ۔ ایک بدی ہے ۔ بھہ کائنات مایا ہے سایہ ہے ۔ شر ہے اس پرچھائین اور بدی کا آرزومند ہونا بدی ہے ۔ بہت بڑی بدی اور بہت بڑی بدیون کا سرچشمہ ہے اس کو ڈھکوادینا یہان تک کہ موت آجائے واحد اور مکمل نجات ہے "

اس طرح فلسفہ و مذہب کے نقطۂ نظر سے ایک ایسا نظام حیات وجود مین آتا ہے جسکی رو سے بھہ زندگی بذات خود ایک عذاب ہے اور بھہ دنیا مایا ہے ۔ بدی ہے ۔ بدیون کا سرچشمہ ہے ۔ ان بدیون سے اسوقت تک رستگاری ممکن و نہین جب تک خود اس زندگی ہی سے نجات نہ پالی جائے ۔ اتنا ہی نہین بلکہ زندگی کے چکر سے ہی نجات حاصل کرنا چاہئے جس کا سبب "آواگون" ہے ۔

اتنا سمجھہ لینے کے بعد ہم آسانی سے قنوطیت کو تین خانون مین تقسیم کرسکتے ہین ۔

(۱) قنوطیت باعتبار ماحول

(۲) باعتبار مزاج

(۳) قنوطیت کا فلسفیانہ جواز

---

1. Myser:- History of past Ethics. p. 103.
2. " " " " " p. 109.
3. ibid xi. p. 52. (Encyclopedia of Religions Philosophy p. 310,812.

اس تقسیم پر بحث کرنے سے پہلے یہہ سمجھنا ضروری ہے کہ ان تینون کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ سب سے پہلے انسان پیہم ناکامیون سے مجبور ہوکر قنوطی ہوتا ہے ۔ پھر اس کے انفرادی شکست خوردہ تجربات زندگی کے ہر رخ کا صرف تاریک پہلو دیکھتے ہین ۔ اس طرح قنوطیت اس کا مزاج بن جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے نصب العین کی اہمیت اور حقیقت کو منوانے کے لئے ایک فلسفیانہ جواز ڈھونڈھتا ہے ۔ اس طرح قنوطیت کے یہہ تین حصے الگ ہوتے ہوے بھی ایک دوسرے سے متعلق رہتے ہین
ہندوستانی قنوطیت کا ذکر کرتے ہوے ایک مذہبی مفکر کہتا ہے

(۱)

" ان کی قنوطیت کی رو سے یہہ دنیا فریب
سراسر فریب ہے "

ہندوستان مین قنوطیت کا مکمل اور واضح وجود مسلّم ہے ۔ البتہ اس کے اسباب و علل مین اختلاف رائے ضرور رہے ۔ مثلاً ۔

(۲)

"ہندوستان کی آب و گل مین قنوطیت کے جراثیم
موجود ہین "

لیکن اس کے ساتھہ ایک دوسرا بیان ملتا ہے ۔

(۳)

" جب ہم تخیلی اور ذہنی بیداری کے شعبون مین غور کرتے ہین تو ماحول بہت اہمیت رکھتا ہے بیشتر آبادی میدانین مین رہتی ہے جہان فطرت کی تعدّی ظاہر ہے۔ بے وقت اور بے پایان بارش ۔ سیلاب ۔ جھلسا دینے والی گرمی ۔ زلزلے ۔ وبا اور بیشتر آبادی کا از مہد تا لحد روٹی کے لئے سرگردان رہنا ۔ یہہ حالات مجموعی طور پر قنوطیت کے معین ہوتے ہین ۔ ناسازگار حالات کی پیدا شدہ مجبوریان خیالی دیوتاؤن کی پرستش پر اکساتی ہین ازلی طبقاتی تقسیم کی مضبوط گرفت آزادی اور عمل کے تخیل کو پا بجولان رکھتی ہے۔ تاہم میدانون مین بسنے والون کی فطری غمناکیان نظر انداز نہین کی جاسکتین

---

1. "Indian Analogies" Cyrenaies p. 81.

2. Bloomfield:- Religion of veda p. 264.

3. W.Crooks:- Natines of Nothern India p. 160.

ہندوستان میں آریوں کی یلغار تاریخ کا ایک المناک دور ہے۔ وید کے دور نے اپنشد کے زمانے تک فکری طور پر رجائیت کی شمع بجھتی رہی اور قوم قنوطیت کی طرف مائل ہوتی رہی مثلاً ویدوں میں بھالی کی عبادت ممنوع ہے مگر آگندہ یہہ علم ہوتی جاتی ہے۔ مقدس وید میں کہیں بھی "آواگون" کا عقیدہ نہیں ملتا لیکن اپنشد کے زمانے میں یہہ ایک بنیادی مسئلہ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ مزاجوں، اصولوں اور عبادتوں میں یہہ تغیر بحث طلب ہے۔ اسکا امکان ہے کہ ہندوستان کی آب و ہوا معاشی وسایل کی محدودیت خانہ جنگیوں اور اندرونی و بیرونی دشمنوں سے مسلسل لڑائیوں نے جن کا سلسلہ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے حملہ آور فاتح آریوں کو ان کی فطری اور ذہنی قوتوں کو سلب کاٹ بے بر قنوطی بنادیا ہو۔

اس سلسلہ میں مغربی مفکرین KIPLING کے KIM کی بار بار (۱) اور بڑی شد و مد کے ساتھہ مثال پیش کرتے ہیں کہ ہندوستان کی فضا نے ذہنی طور پر اسکو مشرقیت کا اسدرجہ دلدادہ کردیا کہ تبت کے خانہ بدوشوں میں شامل ہوکر بوگیوں کا شاگرد ہوگیا اور ترک دنیا کر بیٹھا

قنوطیت کے نظریے کے بوگی تین چیزیں ہیں جو قنوطیت اور رجائیت کی حدفاصل ہیں

۱ ۔ غلط علم یا دھوکہ	۱ ۔ صحیح علم یا حقیقت
۲ ۔ محسوساتی بے چینی یا کرب	۲ ۔ محسوساتی بے چینی یا چین
۳ ۔ نیکی یا خیر	۳ ۔ بدی یا برائی

ہندو نظام فکر کے نزدیک مجبوریاں یا مصیبتیں لاعلمی ناواقفیت، جہل یا نادانستگی اور (۲) اودیا کی دین ہیں اودیا ہی مصیبت کا موجب ہوتی ہے۔ یعنی فکری طور پر جو لاعلمی ہے وہ جذباتی طور پر مصیبت ہے۔ برہمن کی تعریف میں بھی فکر اور جذبہ کا بھی تعلق موجود ہے۔

(۳)

"برہمن حقیقت، ودیا، اور خیر ہے"

ہندوستان فلسفہ واقفیت پر زیادہ احساس پر کم زور دیتا ہے۔ اس میں موضی یا خواہش (VOLITION) جسپر اسرائیلی اور عیسائی نظام فکر نے

---

1. MYSER:- History of past Ethics p. 99.

2. Oldenberg:- Badha, Hislifi, His Doctrine, His Order. (Eng. Tran) p.

3. " " " " " " " " " " " "

مغرب مین توجہ دی نا پید ہے۔ اس "مایا" (کائنات) کی وقعت ہی بڑا علم ہے۔ اگر کسی نے "مایا" کی اہمیت اور حقیقت کا راز پالیا تو وہ یقیناً دنیا سے بیزار ہوکر سنیاس لے لیگا اور زندگی کی زحمت سے آزاد ہوجائیگا۔ ( ) موضی جو نیکی یا بدی اختیار کرنے یا نیکی و بدی کے تعین مین بڑا کارنامہ انجام دیتی ہے۔ ہندو فلسفہ اس سے بے تعلق ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستانی فلسفہ مقدس وید کی روشنی مین احکام صادر کرتا ہے۔ عقلی دلائل سے ان کا جواز پیش کرنے کی فکر کم کرتا ہے۔

( ) موضی اگر منفی ہوتی ہے تو وہ خیر اور شر مین فرق واضح کرکے اپنے لئے ان مین سے کسی ایک کو منتخب کرلیتی ہے موضی مین غور و فکر کا شائبہ مضمر ہوتا ہے نتائج کچھہ بھی ہون۔

(۱) چونکہ ہندوستان مین اپنے فلسفے مین ( ) موضی کو کوئی مقام نہین دیا اس لئے میکڈونل ( ) کہتا ہے کہ ابتدائی ہندوستان کی کوئی تاریخ نہین ہے۔ اس لئے زندگی اور دنیا کی حقیقت ہی نہ تسلیم کی اس لئے کوئی کارنامہ نہ انجام دے سکا۔ برہمن اس تصور کے قائل رہے کہ دنیا اور زندگی دونون بذات خود بدی ہین۔

بلوم فیلڈ ( ) کہتا ہے

(۲)

"قوم کے لئے کوئی امید کا پہلو ہی نہین سارا فلسفہ گذشتہ کا ماتم حال کا رونا اور مستقبل سے بیزاری اور فراموشی ہے"

یہہ تھا قنوطیت کا وہ فلسفیانہ ورثہ جس پر بدھ مت کی قنوطی عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ بدھ مت کی قنوطیت پر گفتگو کرنے سے پہلے اس دور کو ذہن مین رکھنا چاہئے جس مین اسکا ظہور ہوا۔

سری کرشن کی وفات کو ایک مدت ہوچکی ہے۔ بھگوت گیتا کی تعلیم پر فرسودگی طاری ہے اور صرف مہابھارت کی رزمیہ کتابون کی زینت رہ گئی ہے۔ راجہ یدھشٹر اور دریودھن کی اٹھارہ چھاونی فوج کا خون داستان پارینہ بن چکا ہے۔ شمالی ہندوستان مین اٹھارہ ریاستین خودمختاری کے لئے باہم دست و گریبان ہین۔ مغربی سرحد پر کا کیانی سپہ برہم کے

---

1. Macdonell:- History of Sanskirit literature. p. 9. 11.

2. Blosmfield:- Religion of veda :- p. 264.

سانچ بڑنے لگے - جنوب مین دراوڑی سلطنتین دیرینہ تاریخی تعصب کی بنا پر شمالی ہند کی ریاستون کے خلاف صف آرا ئی پر آمادہ ہین -

ہندوستان کی مرکزیت ختم ہوچکی ہے تہذیب و تمدن کے صلح و سکون کے وہ لمحے جو صحت مند فلسفہ اور عظیم ادب کی تخلیق کرتے ہین ناپید ہین - خانہ جنگیون اور سیاسی فتنہ سامانیون نے معاشی وسائل کو درہم برہم کردیا ہوگا - جسکا فوری اور تباہ کن اثر عموماً نچلے طبقے پر پڑتا ہے - جنگ مین زرعی اور صنعتی پیداوار کی بربادی ، غیرمحفوظ راستے قوم و ملک کی سیاست اور معیشت کے ساتھہ ساتھہ اسکے اخلاق اور تصور حیات پر بھی اثرانداز ہوتے ہین ٹکسلا اور بنارس مین مقدس وید کی تعلیم جاری ہے مگر شودر یعنی ملک کی بڑی آبادی اسکا خواب بھی نہین دیکھہ سکتی - ویدانت پر عمل موقوف ہے اور کرم کانڈ کا سکہ جاری ہے - برہمنون کا فرمان مقدس وید کے احکام سے بالاتر ہے - عقل کوشی برہمنون کو نفس کشی اور ریاضت کی فرصت نہین دیتی - ویش اور شودر کی چاکری کے ساتھہ چھتریون کی تلوارین برہمنی عشرت کدون کی دربانی کر رہی ہین - ویش اور شودر مذہبی زنجیرون مین جکڑے ہوے اپنے پچھلے جنم کے پاپون کے عوض زندگی کا عذاب کاٹ رہے ہین - مذہبی نجات کا کوئی سوال نہین صرف دنیاوی منفعت کسی حد تک وہ برہمنون کے وسیلے سے حاصل کرسکتے ہین - لیکن اس کی قیمت بڑی سخت ادا کرنی پڑتی ہے - دیوتاؤن کی رضا حاصل کرنے کے لئے ایک بار بنارس کی سڑکون پر مچھلی اور گوشت کا انبار لگ جاتا ہے دیگون مین شراب بھر دی جاتی ہے - ایک بار راجگڈھ مین تمام خلقت قبل دعا کے لئے تمام رات عبادت اور شراب نوشی کرتی رہتی ہے - راجہ بنارس کے دربار مین سولہ ہزار خوبصورت ناچنے والیان ہین - ہاتھی گھوڑون کے علاوہ انسانون کی قربانی دی جاتی ہے -

اس دور مین کپل وستو کا شاہزادہ گوتم تمام کائنات کا دکھہ درد سمیٹ کر اسکا علاج ڈھونڈھتا ہے - اسکا دکھا ہوا دل زندگی جیسی نعمت کا بھی احترام نہین کر پاتا اور وہ پیغام دیتا ہے

(۱)

" سچ جانو یہہ تشنگی ہے ... یعنی زیست کی ہوس ..
اس سے لطف اٹھانے کی تمنا - جس سے پیدائش ثانی ہوتی ہے تاکہ
کسی نہ کسی طرح خواہش نفسانی پوری ہو "

---

1. SUTRAS:- Budhism. p. 46.

دنیا میں انسانیت کے خون سے جلتے ہوئے چراغوں کی بھیانک روشنی نے اسکی روح میں اتنا درد بھردیا کہ اس نے اعلان کیا ۔

پیدائش دکھ ہے
عارضہ دکھ ہے
موت دکھ ہے
اندوہ و غم دکھ ہے
پیاری چیزوں کا حصول دکھ ہے
پیاری چیزوں کی مفارقت دکھ ہے
آہ و زاری دکھ ہے
ناکام خواہش دکھ ہے

بدھ نے اپنے ان ارشادات کو فلسفیانہ قیا پہنائی یعنی جو چیز جسم رکھتی ہے وہ مادہ سے بنی ہے ۔ مادہ غیر مستقل اور فانی ہے۔ اس لئے ہر جسم رکھنے والی چیز میں فنا کے آثار موجود ہیں انسان حیات جسمانی رکھتا ہے۔ اس لئے اس کو فنا سے چھٹکارا نہیں ۔ غم ، بیماری کمزوری اور موت فنا کے مدارج ہیں

(۱) " پھر وہ فرماتے ہیں جو چیز انسان کو مادی دنیا سے رابطہ قایم رکھتی ہے وہ دل کی برائی ہے۔ جب تک دل میں ذرہ برابر بھی بدی رہے گی دنیا سے علاقہ ختم نہ ہوگا۔ بدھ مت کا مشہور سدھانت جسکا نام " تیل کھانا " یعنی تین خصوصیتیں ہے اور جو جو بدھ مت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہتا ہے "

(۲)

" سب چیزیں عارضی ہیں (جسے پالی میں انیکا کہتے ہیں)
سب چیزیں دکھ ہیں
سب چیزیں بلا شخصیت کے ہیں (جسے انانا کہتے ہیں)

لفظ انانا کا ترجمہ مشکل ہے۔ بے بود ، بے ثبات ، بے بنیاد ، بے اصل اور بے ربط کے معنی میں اسے سمجھا جاسکتا ہے ۔

مذاہب عالم نے عموماً آئندہ زندگی کی بشارت دے کر زندگی کے جبر و قہر سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیا ۔ مگر بدھ نے انسان کے ہاتھ سے بھی کھلونا

---

1. Hopkins:- The Religions of India p. 352.

2. Oldenbeg:- Budha. p. 201.

بھی چھین لیا ۔ و آئندہ زندگی کو بھی دکھہ کہتے ہین ان کے نزدیک نہ صرف یہہ دنیا بلکہ تمام امکانی دنیائین دھوکا فریب اور پیچن ہین ۔ ان کے نزدیک دکھہ کا واحد علاج یہہ ہے کہ خواہش کو ختم کردیاجاۓ ۔ خواہش سے مراد و خواہش ہے جو زندگی کے چکر کو حرکت مین رکھتی ہے ۔ یعنی زندگی کا چکر ہی ختم کردیاجاۓ ۔ زندگی ہی ختم کردی جاۓ ۔

بدہ کے مقالات مین ایک دوازدھی سدھانت کا اکثر ذکر آیاہے ۔ جس مین علت اور معلول کا باہمی تعلق باقاعدہ اور مفصل طور پر پیش کیا ہے ۔ اسکو " تیکا سام پادہ " کہتے ہین ۔ جسکا مفہوم " انحصاری ابتداۓ " ہے ۔ اسکا مضمون حسب ذیل ہے ۔

۱ ۔ اودیا کے انحصار سے ترکیب پیدا ہوتی ہے جسے سنکھار بولتے ہین
۲ ۔ تراکیب کے انحصار سے شعور ظہور مین آتا ہے ۔
۳ ۔ شعور کے انحصار سے تن من کا سمبندہ ہے یعنی انسان پیدا ہوتا ہے
۴ ۔ تن من کے سمبندہ سے " شش کلی عالم حواس " جسے اندریا کہتے ہین پیدا ہوتا ہے ۔
۵ ۔ " شش کلی عالم حواس " کے احساس سے چیزون کے ساتھہ حس پیدا ہوتی ہے
۶ ۔ حس کے انحصار سے احساس پیدا ہوتا ہے
۷ ۔ احساس کے انحصار سے ہوش پیدا ہوتا ہے
۸ ۔ ہوش کے انحصار سے لگاؤ پیدا ہوتاہے
۹ ۔ لگاؤ کے انحصار سے ساخت پیدا ہوتی ہے
۱۰ ۔ ساخت کے انحصار سے جنم پیدا ہوتا ہے
۱۱ ۔ جنم کے انحصار سے غم ، درد ، الم ، اندوہ ، یاس ، بڑھاپا ، اور موت پیدا ہوتی ہے
۱۲ ۔ اس طرح دکھہ کا سارا تودہ بن جاتا ہے ۔

اس طور پر مغربی فلاسفہ کے نزدیک بدہ مت کی کٹر قنوطیت مسلم ہوجاتی ہے ۔ اور یہہ ثابت ہوجاتاہے کہ یہہ زندگی اور یہہ دنیا مسلسل درد اور مجسم دکھہ ہے ۔ بدہ کی تعلیم اور اسکی قنوطیت پر کس قدر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے ۔ اس لئے کہ اس نوع کی قنوطیت کی دھوپ چھاؤن ہماری شاعری مین طرح طرح سے ملتی ہے ۔ ہندو فلسفے اور بدہ مت کی قنوطیت تاریخی ، طبعی

اور اپنے ماحول کے فطری نتائج کی صورت مین جواز پالیتی ہے۔ لیکن شوپنہار کی قنوطیت ان سے علحدہ ہے اور مختلف بھی ۔ شوپنہاور کی قنوطیت طبعی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ سیاسی میدان مین شوپنہاور کا جوتی بڑے زرین خواب دیکھہ رہا تھا ۔ قوم کا انداز نظر مجموعی طور پر رجائی تھا ۔ خود شوپنہاور کی زندگی کے زیادہ مدت تک اسکی تصانیف کی عدم مقبولیت کا سبب اسکا اور عوام کا فکری تضاد ہوسکتا ہے۔ یعنی رجائی تصورات مین مگن قوم نے اس کے قنوطی تصورات کو سننے اور سمجھنے اور قبول کرنے سے انکار کردیا ۔ جسکی وجہ سے ایک مدت تک شوپنہار قعر گمنامی مین پڑا رہا ۔

شوپنہاور ایک اچھا خاصہ کھاتا پیتا آدمی تھا ۔ اپنی مان کی مامتا سے محرومی اور سوتیلی مان کا عذاب اپنی جگہ پر مسلمہ ہے ۔ مگر اس ایک الم کا شوپنہاور کی طویل عمر کو اسطرح گرفت مین لے لینا کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی مسکرا نہ سکے کچھہ زیادہ قرین قیاس معلوم نہین ہوتا ۔ بہر حال ان شکوک کو نظرانداز کردینے کے بعد بھی اسکی قنوطیت اپنی جگہ پر باقی رہتی ہے ۔ وہ نہار اور مزاج کے اعتبار سے قنوطی تھا ۔ اس نے اپنی افتاد طبیعت کا فلسفیانہ محاسبہ کیا ۔ ایک نقاد نے اس کی قنوطیت کے متعلق کہا ہے ۔

(۱)

" شوپنہاور کی قنوطیت اٹھارویں صدی کی بے قید رجائیت کا ایک رد عمل تھی ۔ "

شوپنہاور جب (WILL) مشیت یا ارادہ کو قادر مطلق قرار دیتا ہے تو اسے اس کا خیال رہتا ہے کہ یہی (WILL) مشیت یا ارادہ ( ) بدی کا خالق ہے۔ جسکا وہ آگے چل کر ذکر کرتا ہے ۔

زور اشتر ایرانی پیغمبر نے سب سے پہلے خیر و شر کا فلسفیانہ ادراک کیا اور یزدان اور اہرمن کے نامون سے تاریخ و ادب مین انکو موسوم کیا ۔ یہی خیر و شر اسکے نیم فلسفیانہ اور نیم مذہبی ارشادات کا حاصل ہے۔

(۲)

" دنیا مین ہمیشہ یزدان و اہرمن کی کشمکش جاری رہے گی ۔ دانا وہ ہے جو یزدان کا رفیق ہو کیونکہ بالاخر یزدان کی ہی فتح ہوگی ۔ "

---

1. James Sully's "Pessimism" p. 83.

2. Sully's Pessimism p. 7.

اس طرح (Evil) بدی کی موجودگی قدیم ہے ۔ لائبنز نے (Theism)
کی تبلیغ کرتے ہوئے بدی کے وجود کا فلسفیانہ جواز بھی پیش کیا ہے

(۱)

" دنیا خدا کی تخلیق ہے اور کوئی تخلیق اسوقت تک مکمل
نہیں ہوتی جب تک اسکے روشن اور تاریک دونوں پہلو
واضح نہ ہوں اس لئے دنیا میں خیر کے ساتھ ساتھ بدی
بھی ہے ۔ مگر دنیا صرف بدی نہیں ہے ۔ یہی نہیں بلکہ رفتہ
رفتہ خیر کے بدی پر فتح پانے کے امکانات ہیں ۔ "

اسی بنیاد پر شاید پوپ نے اعلان کیا تھا ۔

(۲)

" ہر جزوی شر ، عالمگیر خیر ہے "

ہیگل نے بھی (Theism) کے منارے سے بدی کے
وجود کا بلند بانگ اعلان کیا ۔

(۳)

" بدی کے وجود سے انکار کرنا نادانی ہے مگر
اس پر فتح پانا انسانیت کا فرض ہے ۔ "

سب سے پہلے شوپنہاور نے (Theism) کی مذہبیت پر کاری
ضرب لگائی ۔

(۴)

" جگنوؤں کی مانند مذاہب اندھیرے کے محتاج ہیں "

پھر اس نے (Will) مرضی یا ارادہ کی ازلیت ، آفاقیت اور قدرت
پر اسطرح اظہار خیال کیا ہے ۔

(۵)

" Will مرضی یا ارادہ اندھی اور مسلسل جدوجہد
کرتی ہوئی ایک طاقت ہے جو نہ اپنے کو تسکین بخش سکتی ہے
نہ اپنے دردناک چکر سے نجات پا سکتی ہے اور یہی مرضی یا
ارادہ تمام دکھوں کا دروازہ ہے ۔ "

---

1. Sully's Pessimism p. 9.

2. The Realms of Ends by Ward p. 318.

3. Sully's Pessimism. p. 21.

4. The Realm of Ends by Ward. p. 320.

پھر وہ اس مرضی یا ارادہ کا انسانی زندگی پر اثر دیکھتا ہے جسکا حیات انسانی سے ناگزیر تعلق ہے

(۱)

"جب تک ہمارے شعور میں مرضی یا ارادہ موجود ہے ہم خواہش کے کانٹوں کا مقدر ہیں ۔ جب تک ارادہ یا مرضی ہم پر حاوی ہے ہم سکون اور خوشی نہیں پاسکتے کیونکہ یہی مرضی یا ارادہ دنیا کی بنیادی طاقت بھی ہے ۔ دنیا کو بروئے کار لانے والی شے بھی ہے ۔ اور بدیہون کی خالق بھی ہے ۔"

شوپنہاور خوشی یا مسرت کو اضافی قدر بھی تسلیم نہیں کرتا ہے ۔ بلکہ مکمل طور پر منفی قدر کہتا ہے

(۲)

" سکھہ دکھہ کی فرقتز ہے ۔ ایک حساس انسان کی زندگی پر دکھہ پوری طرح حاوی ہے ۔"

مہاتما بدھ کی طرح شوپنہار بھی ساری دنیا اور اسکے حاصل کو دھوکا اور فریب کہتا ہے ۔ چونکہ دنیا کا ہر حاصل ناپایدار ہے اس لئے دنیا میں کچھہ حاصل ہی نہیں کیا جاسکتا ۔ اس نکتے کو وہ ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہے ۔

(۳)

" زندگی کے مقاصد جھوٹے اور بے ثبات ہیں ۔ حقیقت یہہ ہے کہ زندگی بالاخر ایک دھوکا ثابت ہوتی ہے ۔ اس جھوٹی دنیا کی جھوٹی مسرتیں انسان کے دل میں عجیب و غریب آرزومندی کے چراغ جلاتی ہیں ۔ یعنی وہ دنیا میں خوشی و غم زندگی گذارنا اپنا طبعی حق اور قطعی حق سمجھنے لگتا ہے ۔ لیکن جب ان آرزوؤں کا آئینہ خانہ شکست ہوجاتا ہے تو اسکی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔"

---

1. Sully's Pessimism p. 70.

2. World as Will an idea by Schoper houer. p. 210,218.

3. " " " " " " " " " "

اسے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک عام آدمی اپنی لامتناہی آرزؤن کی تکمیل کی شدید خواہش کرتاہے۔ اپنے ارد گرد سارے جہان کی مسرتین سمیٹ لینا چاہتا ہے لیکن چونکہ اسکے یہہ سارے خواب شکست ہوجاتے ہین اور اتنا ہی نہین بلکہ جب زندگی کی بنیادی ضرورتین اور انسان کی جبلّی خواہشین بھی نہین پوری ہوپاتین تو وہ ناکامی اور شکستون کے رد عمل کے طور پر خود زندگی اور دنیا کو مردود قرار دیتاہے۔ انسانی آرزؤن کی بیداری مرضی یا ارادہ کی رہین منت ہے۔ یہ ارادہ یا مرضی ہے جو انفرادی ذہنون مین اجنبی اور ان گنت آرزؤن کے چراغ جلاتاہے۔ لیکن چونکہ مرضی یا ارادہ خود بدی کا بیج بھی خالق ہے اسلئے وہ انجانے طور پر بدی کی شمع بھی روشن کرتاہے۔ شوپنہار نے جب اس زندگی اور دنیا کی بدیون سے نجات کا راستہ ڈھونڈھنا ہے تو وہ طبعی قنوطیت کی نشان دہی کرتا ہے۔ وہ کہتاہے کہ اندھی مرضی نے انسانی دماغ مین جو شمع جلائی ہے اس سے کم از کم ایک فائدہ پہونچتا ہے۔ یعنی اسکی روشنی مین ہم رحم، دہشت اور خوف کے ساتھہ انسانی حیات کا تجزیہ کرسکتے ہین۔ جسکے نتیجے کے طور پر انسانی مجبوری، الم اور خود فراموشی کے راز آئینہ ہوجاتے ہین۔ اسی کے ساتھہ ساتھہ ہم پر یہہ اسرار بھی فاش ہوجاتاہے کہ فنون لطیفہ، ترک دنیا اور خاموش و دردناک ہمدردی تپتی حیات کے جھلستے ہوے بیابان مین ایک نخلستان ہین۔ مثلاً فنون لطیفہ کی کسی شاخ مین جب کوئی فنکار کسی فن پارے کی تخلیق کرتا ہے۔ تو یہہ تخلیق عمل اسکے حقیقی غم اور الم کا ایک خوابناک ازالہ ہوتاہے۔ اپنی مادی اور واقعی شکستون کا غم غلط کرنے کیلئے اپنے فن کے پردے مین وہ من مانے خواب دیکھہ لیتاہے۔ یہی ایک چھوٹی سی مسرت کی پھلجھڑی ہے جو زیادہ سے زیادہ فنون لطیفہ ہمین بخش سکتی ہے شاعرون کی تقدیر مین آئی ہوی اسی مسرت پر رشک کرتے ہوے شوپنہاور کہتاہے

(۱) "مین شاعرون کی قسمت پر رشک کرتاہون جو اپنی دلسوزی کے اظہار سے چند لمحون کا عیش حاصل کرلیتے ہین۔"

---

1. World us Will and Idea by Pehopenhauer. p. 228.

شوپنہاور نے بھی تابناک زندگی کے خواب دیکھے ہین ۔ اور امید کی ہے کہ آئندہ ایسا زمانہ آسکتا ہے جب دنیا کی نجات کا سامان ہوسکے ۔ لیکن اگر اگر کبھی بھی اسکا خواب شوندۂ تعلیر ہوسکا تو سارے تمدن کی بساط الٹ جائیگی ۔ اسکے الفاظ یہہ ہین

(۱) "جب انفرادی خودکشی Coill یا موضی "

کے خودغرضی دعوی (یعنی بیسرت زندگی بسر کرنا)
معراج سمجھہ کر مردود قرار دیگی ۔ تو یہہ امید
کی جاتی ہے کہ ایک نہ ایک دن سارے بنی آدم اتنے
تعلیم یافتہ ہوجائینگے کہ زندگی کے کم مایہ ، پرالم
اور پرفریب کردار کو سمجھہ سکین اور موضی کی مجموعی
روشنی مین زندگی کو متزلزل کرکے دنیاکو اس ابتدائی
معصومیت اور جہالت کے دور مین پھینک دین اوراس
طرح دنیا کی نجات دھندگی کامنصب حاصل کرسکین "

اسطرح شوپنہاور دنیا اور زندگی پرالم مکمل قہرمانی کااقبال کرکے قنوطیت کا اقرار کرتاہے ۔ اور اپنی طبعی قنوطیت کو فلسفیانہ دلایل کی قبا پہناتاہے

(Von Hartman) وان ہارٹ مین شوپنہار کا مشہور پیشار اور مرید غم اور خوشی دونین کو مثبت قدرین تسلیم کرتا ہے ۔ یہہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ دنیا مین ترقی کا مادہ موجود ہے اور ترقی ہو بھی رہی ہے ۔ تاہم وہ شوپنہاور کی قنوطیت کا دم بھرتا ہے ۔ کیونکہ وہ دعوی کرتا ہے کہ دنیا مین غم مسرت پر غالب ہے ۔ اتنا ہی نہین بلکہ جون جون دنیا کے اسرار انسانی اذہان پر منکشف ہوتے جاتے ہین غم کی گرفت مسرت پر قوی تر ہوتی جاتی ہے لا دوسرے الفاظ مین یہہ کہہ سکتے ہین کہ ہارٹ مین اگر غم کو مسرت کے ساتھہ ایک مثبت قدر تسلیم بھی کرتا ہے تسلیم تو بات اپنی جگہہ پر رہتی ہے کیونکہ وہ جب یہہ کہتاہے کہ دنیا مین غم کا مسرت پر غلبہ ہے تو وہ قنوطیت کا مرتکب یا موئد قرار پاتاہے ۔ کیونکہ

(۲) " وہ نقطہ نظرقنوطی ہے جسکی رو سے دنیا مین
مین خوشی سے زیادہ غم ہو ۔ "

---

1. Please see the first pages of the chapter.

باب دوم (تصوّف)

گذشتہ اوراق میں ہندو مذاہب کے نظام فکر کی قنوطیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہندو نظام فکر پر روحانیت کے تسلط کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہندی مزاج کی اسی روحانیت نے اسلامی تبلیغ کی راہیں ہموار کی ہیں۔ یہہ وہی روحانیت ہے جسے شوپنہاؤر نے اعلیٰ ترین عقل (۱) کی پیداوار کہا ہے۔ اور اسی نظام فکر کے "وحدۃ الوجود" کو بروز نو اسپنوزا (۲)، مالبرانچ اور اسکوٹس و ریجن کے "وحدۃ الوجود" (۳) سے اعلیٰ تسلیم کیا ہے مثلاً

(۴) "جب دل سے و تمام خواہشیں ترک کردی جاتی ہیں تو فانی غیرفانی ہوجاتا ہے۔ اور برہما میں مل جاتا ہے۔"

(۵) "جو خودی کو چھوڑ دیتا ہے وہ موت کے چنگل میں نہیں پھنستا بلکہ احدیت برہمہ کا منصب پالیتا ہے۔ تیری خودی مہلک ہے۔"

مہاتما بدھ نے بھی فنا مطلق کی بنیاد اسی روحانیت اور ماورائیت پر رکھی

(۶) "اے راہبو وہ طریقہ کیا ہے جس سے دنیاوی مصائب فنا ہوجائیں۔ وہ مقدس طریقہ ہے جس کے آٹھ حصے ہیں بصیرت کامل سے مراقبہ کامل تک۔ اس طریقہ سے دنیاوی مصائب مرجاتے ہیں"

---

۱ ۔ "نقد اقبال" از میکش اکبرآبادی ۔ ص ۳۵

۲ ۔ " " " " ص ۱۹

۳ ۔ " " " " ص "

۴ ۔ "برہد" ۲ ۔ ۴ ۔ ۴۱

۵ ۔ گیتا ص ۵۰۶ ۔ ترجمہ منشی کنہیا لال

۶ ۔ "تمدن ہند" بحوالہ للت دستر باب ۔ ص ۲۶

جب ہندوستان میں مسلمان حکمران کی حیثیت سے آئے تو ہندو سماج (۱) بھی ہندی سیاست کی طرح انحطاط پذیر تھا ۔ ذات پات کی ازلی تقسیم اور کہنہ جاگیردارانہ نظام کی مصیبت نے عوام کی مادّی مشکلات میں اور اضافہ کردیا تھا ۔ چنانچہ مسلمان فوج نے میدان و قلعے جیتے اور صوفیاء نے ہندوستانی دل و دماغ فتح کئے ۔ بابا را گھو ننت ناتھ سے خواجہ معین الدین اجمیری کے مناظرے اسی سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں ۔ خدا کی ذات میں انسانیت کی مکمل سپردگی ، شراب کو شراب معرفت کا خطاب نشے کو عرفان کی حیثیت دونوں نظامہائے فکر میں عام ہیں۔ صوفیاء کے تبلیغی کارنامے کو حکومت وقت کی پشت پناہی حاصل نہ تھی جسطرح عیسائی مشنری ایک منظم صورت میں تخت و تاج سے وابستہ تھے ۔ مسلمانوں کا کوئی حکمران عیسائیوں کے KING DEFENDER OF FAITH کا لقب نہیں حاصل کرسکا

صوفیاء کرام کے قول کے مطابق تصوف قرآن مجید سے استنباط شدہ علم ہے ۔ اسلئے پہلے قرآن مجید کی روحانیت کو سمجھنا ضروری ہے ۔ اسلام نے مادی دنیا کی اخلاق سوز عشرتوں کی نفی کی ہے ۔ اور تہذیب اخلاق کے نصب العین کی خاطر روحانیت کی بنیاد رکھی ہے ۔ اسلامی عبادات نہ صرف درستی اخلاق کا زینہ ہیں بلکہ روحانی درجات کی تسخیر کی منزلیں بھی ہیں مولانا ابوالکلام آزاد نے اسی نکتے پر روشنی ڈالی ہے ۔

(۲) " قرآن نے انسان کے لئے دینی عقائد اور اعمال کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انسان کی روحانی زندگی کو کائنات فطرت کے عالمگیر کارخانے سے کوئی الگ اور غیر مربوط و غیر متعلق چیز قرار نہیں دیتا بلکہ اسی کا ایک مربوط و متعلق گوشہ ہے ۔ "

قرآن نے دنیا کی کبھی نفی نہیں کی ۔ قرآن نے جب کبھی دنیا کو برے الفاظ

---

۱ ۔ ہندی ساہتیہ کا اتہاس ۔ پنڈت رامچندر شکل ۔ ص ۱۱

۲ ۔ ترجمان القرآن از ابوالکلام آزاد ۔ ص ۳۲

سے یاد کیا ہے تو دنیا اپنے حقیقی معنوں (Existence) میں کہیں نہیں آتی بلکہ وہ دنیا مراد ہوتی ہے جہاں اخلاق سوز اعمال کی پیروی کی جاتی ہے ۔ مولانا روم کا یہ مشہور شعر دنیا دوستی کی وضاحت کرتا ہے ۔

چیز دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اس دنیا میں فرزند و زن تو کیا قماش و نقرہ یعنی (Luxuries) عیش و عشرت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے ۔ قرآنی علم و عمل کا رسول سے بڑا عالم و عامل کون ہوگا اور ان کا ارشاد ہے ۔

" لا رہبانیت فی الاسلام "

حضرت عثمان اتنے دولتمند تھے کہ غنی کہے جاتے تھے ان کی دولت اور آسائش کو تصوف اسلام کے کس خانے میں رکھے گا ۔

زکوٰۃ ارکان اسلام کا ایک اہم جزو ہے اور اس کا وجود ہی مادی عیش و عشرت کے لئے اثبات کا حکم رکھتا ہے ۔ سخاوت اسلام میں بڑی فضیلت رکھتی ہے اور سخاوت دولت کی محتاج ہے ۔ اسلام نے مکمل دنیاوی اور سماجی حقوق و فرائض کی بجا آوری کو عبادت کہا ہے ۔

صوفیاء کبار نے اصحاب صفہ کی زندگی کا بار بار ذکر کیا اور ان کی زندگی سے تصوف کا علاقہ بتایا ہے ۔ اصحاب صفہ وہ لوگ تھے جو فقر و فاقہ میں مبتلا تھے ۔ اور رسول کے حضور میں رہتے تھے ان کی کفالت صدقات و خیرات سے ہوتی تھی ان کے وجود کی ذمہ دار عرب کی انتہائی مہذب مجلس دینہ کہ اسلامی تعلیم ۔ ممکن ہے کہ اس سلسلے میں کچھ ایسے لوگ بھی آگئے ہوں جو پیغمبر عرب کے علم و فیض سے بلا واسطہ فیضیاب ہونا چاہتے ہوں ۔ اسلئے ان اصحاب کی طالب علمانہ یا مجبوری کی زندگی نہ تو صوفیاء کے مزاج خانقاہی کا جواز ہے اور نہ اسلامی زندگی کا نمونہ ۔

خواجہ حسن بصری کو اسمتھ (Smith) نے علوم القلوب (۱) کا بانی کہا ہے ۔ خواجہ کے فکری ورثے میں حسن کی وہ تمام سکتیں محفوظ ہوں گی ۔ جو اس نے باطل دنیا کے دانہوں کھائی تھیں ۔ خواجہ نے بھی مہاتما بدھ کی طرح دنیا کی بدیوں سے نجات پانے کے لئے دنیا ہی کو ترک کر دینے کا حکم دیا ہے ۔

(۱)

" وہ عقلمند ہے جس نے اس دنیا کی نفی
کی اور آئندہ دنیا کی فکر کی ۔ "

یہہ سوال اٹھہ سکتا ہے کہ ممکن ہے خواجہ نے بھی اس دنیا کے ترک کا حکم دیا ہے جس دنیا کے ترک کا حکم اسلام دے چکا ہے ۔ اسکا جواب یہہ ہے کہ اسلام نے بھی رسول نے نہ صرف دنیا کی تمام حلال عشرتون کا احترام کیا بلکہ باعث ثواب کہا ہے ۔ نہ صرف کہا ہے بلکہ اس پر عمل کیا ہے تو وہ جب دنیا مین رہکر دنیا کی نفی کرتے ہین تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ دنیا کی بدی کی نفی کی گئی ہے ۔ لیکن خواجہ اور دوسرے صوفیا دنیا کی حلال لذتون اور عشرتون کے اثبات کا نہ زبان سے اقرار کرتے ہین نہ عمل سے ثبوت دیتے ہین ۔ برخلاف اسکے زبان سے دنیا کے ترک کا حکم دیتے ہین اور عمل سے اس کی تبلیغ کرتے ہین ۔ اس لئے وہ یا ان کے رفقا جب دنیا کا لفظ استعمال کرتے ہین تو اس کے معنی نہین پہنچائے جاسکتے ۔ رسول نے ملک فتح کئے تھے ۔ جہانبانی کے آئین وضع کئے تھے اور دنیا کی نفی بھی کی تھی ۔ لیکن صوفیاء گوشہ نشین کی زندگی بسر کرتے ہین اور ترک دنیا کا حکم دیتے ہین ۔ اسلئے دونون کے احکامات کے معنی بھی جدا ہین اور اثر بھی جدا ہے ۔ دوسرے الفاظ مین اسلام نے دنیا کو کتّے کی طرح قابو مین کرکے اسے منہہ نہ لگایا اور تصوّف نے دنیا کو سیر بناکر پیش کیا ۔ اس سے وحشت کھائی ہے راہ فرار اختیار کی ہے ۔ اور دوسرون کو اپنے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب بھی دی ہے ۔

بہرحال خواجہ کے عہد تک تصوف نے کوئی علمی کارنامہ انجام انجام نہین دیا تھا ۔ اور عالم اسلام ہنوز ایک دہشتناک تاریخ کا شکار تھا ۔ ۷۴۹ ھ مین اموی جلال کا تخت الٹ گیا ۔ زنادقہ پر مظالم کا بازار گرم ہوا ۔ ۷۵۵ ء سے ۸۶۸ ء تک ایرانی ملحدون کی بغاوت کا ہنگامہ جاری رہا ۔ ۷۷۷ ء مین خراسان کے نقاب پوش پیغمبر نے تخت و تاج کے حصول کی سازش کی ۔ نوین صدی کے آغاز مین امین و مامون نے تخت و تاج کے لئے خونریز جنگ لڑی ۔ مامونی دور اسلامی ادبیات کا عہد زرین کہا جاتا ہے ۔ تصوف بھی اس دور مین ابھر کر سامنے آیا ۔ اسکے اسباب ہین " مامونی دربار خلق قرآن کے مسئلے پر مقتل بنا ہوا تھا علماء کی بڑی تعداد مامونی جلال کے ہاتھون بک گئی یا قتل و روپوش

ہوی ۔ اشاعرہ اور متکلمین کی بحثون نے ایک طرف تو مذہب کو دوخانو
مین تقسیم کردیا اور دوسری طرف لاشعوری طور پر معمولی منفذ مناقشات
سے بلند ہوکر آزاد خیالی کی روح پیدا کردی ۔ مامون کے عہد نے بڑھو
ہوی عقل پرستی کے ہاتھون مذہبی جوش اور بھی ٹھنڈا کردیا ۔ دولت کو
افراط اور خلیفہ کی شاہانہ معاشرت نے اخلاقی بےحسی مین اضافہ کیا ۔
یونانی مابعدالطبیعیات نے مذہب کو فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنے کے جذبے
کی تحریک ترویج کی ۔ عیسائی راہبون کی واقعی زندگی نے دیندار خلوت پسند
لوگون کو متاثر کیا ۔ سیاسی طور پر با اثر ایرانی خاندانون طاہریہ ۔
صفاریہ ۔ سامانیہ کے مناقشات بھی ان حالات مین شدت کے معاون ہین
ورنہ یہ محض اتفاق نہین ہے کہ نوین صدی عیسوی مین عظیم صوفیون
کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے ۔ ابوعبداللہ ابن عاصم الانداکی ۔ حارث بن
اسدالمحاسبی ۔ ابوسعید احمد بن بشر بن زیاد بن السوبی ۔ ابو الفیض
ثوبان بن ابراہیم ذوالنون مصری ۔ یحیی بن معاذالرازی ۔ بایزید بسطامی
ابو سعید احمد بن عیسی الخراز اور رابعہ بصری وغیرہ وہ لوگ ہین
جن کی سیرت مین زہد کا عنصر حاوی تھا ۔ نہ صرف زہد بلکہ خشیت الہی
پر ان حضرات نے بہت زور دیا ہے ۔ خشیت الہی پر بھی اس گنہگار
اور منکرخدا زمانے کی بیداری ہے جس مین ان حضرات نے سانس لی تھی
اقبال ان اکابرین صوفیاء کے متعلق کہتے ہین ۔

(۱)

" ان ابتدائی مسلمان مرتاضین کی حیات و فکر کی
نوعیت کے ساتھ وحدۃالوجود کا ایک وسیع نظریہ بتدریج
وجود مین آگیا ۔ "

اسلام مین وحدۃالوجود کا مسئلہ تاریخی اعتبار سے شیخ محی الدین عربی سے
قبل موجود تھا ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسکی عالمانہ توضیح و ترویج
ان ابتدائی صوفیاء کے حصے مین نہین آئی ۔ وحدۃ الوجودی کے نزدیک
خدا ہم سے الگ کوئی چیز نہین ہے ۔ وہ ہم ہی مین ہے ۔ دنیا مین
جو کچھ نظر آتا ہے وہ خدا ہی ہے ۔ غیر اللہ کا وجود کا نہین ہے

---

۱ ۔ فلسفہ عجم ۔ ص ۱۲۸

کثرت کے تمام جلوے اسی وحدت کے کرشمے ہین ۔ وحدۃالوجود نہ صرف تصوف بلکہ تمام بڑے بڑے حقیقی نظام ہائے فکر مین کسی نہ کسی پہلو مین موجود رہا ہے ۔ یونان کے سب سے پہلے فلسفی طالیس کے نزدیک نہ صرف عالم کی حقیقت کی واحد ہے بلکہ مبداء کائنات (۱) پانی نہین ہے بلکہ ایک لامحدود اور لافانی ابدی جوہر ہے جس نے تمام اشیاء کو جنم دیا ہے اورجس مین تمام اشیاء لوٹ جائینگی ۔ (
(۶۱۱ ــ ۵۴۷ ق م) زینوفنز نے مروجہ خداؤن سے بغاوت کی اور ایک خدائے واحد کی تبلیغ کی اس نے سب سے پہلے دنیا کو خبر دی کہ خدا آدمیت سے بالاہے وہ ہرجگہہ بنفس نفیس موجود نہین ہے مگر وہ ہر کلم پرقادر ہے اس کو پہلا وحدۃالوجودی فلسفی کہا گیا ہے ۔
(۵۷۰ ــ ۴۸۰ ق م) فیثا غورث پر مینڈیز اور ہرقلیطوس کے نزدیک حقیقت عالم ایک ہے چاہے وہ آگ ہو پانی ہو ہوا ہو یا روح ہو ۔
اسی طرح ہزارون سال پہلے اپنشدون کی تعلیم ہے کہ آتما انسان مین ہے اور دنیا کے ذرے ذرے مین ہے ۔ برہمہ کیا ہے یہی آتما ہے آتما سے کچھہ بھی خارج نہین ہے ۔ کثرت کسی بھی رو پ مین ہو دھوکا ہے ۔

ترجمہ " روح مطلق یا برہمہ مبداء کائنات ہے ۔
روح مطلق سے لامحدود شکلین نکلتی ہین (۲)
جسطرح آگ سے شعلے اور یہی شکلین تمام دنیا
کی مخلوقات مین حرکت عمل کی خالق ہین ۔ "

ڈاکٹر ایس این کیتا نے صاف صاف کہا ہے ۔

ترجمہ " خدا کے متعلق کیتا کا نیوان ہے کہ آخر کار
انسان پر خیر و شر کی کوئی ذمہ داری (۳) نہین "

ڈاکٹر طاہان کی تحقیق کے مطابق بدہ کے معنی وجود کامل کے ہین ۔ جو خدا (۴) سے بھی بزرگ و برتر ہے اور یہی وجود مطلق عالم کی ابتدا بھی ہے اور عالم کی انتہا بھی ۔
ابتدائی مسلمان مرتاضین کے اقوال دہرانے کی ضرورت نہین ہے ۔ تاہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد ضرور پیش کرنا ہے کیونکہ آپ نے

صوفیانہ مسلک میں غیر اسلامی عناصر کی تلاش بھی کی ہے اور اس کا رد بھی کیا ہے مگر اس اہم مسئلے پر وہ بھی متفق ہیں

" میں کہتا ہوں کہ یہہ قول (وحدۃ الوجود) عقلاً اور کشفاً دونوں طرح صحیح ہے ..... یہہ تمام کلام صحیح ہے جسکا کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا اس پر اہل قلم کے تمام گروہوں کا اتفاق ہے ۔ "

صوفیاء کرام کے نزدیک جو کہہ موجود ہے سب خدا ہی ہے لیکن علماء ظاہر خدا کو سلسلہ کائنات سے بالکل الگ تسلیم کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک (یعنی صوفیاء کے) وجود سے حقیقت مراد ہے ۔ یعنی وجود حق ہے ۔ لیکن علم کلام کے علماء وجود کو محض ایک تصور خیال کرتے ہیں ۔ اسلئے وہ " وجود حق " کو کفر سمجھتے ہیں ۔ دلچسپ بات یہہ ہے کہ خود صوفیوں میں ان تشریحات پر اتفاق نہیں ہے ۔ شیخ احمد سرہندی عالم کو وہم اور معدوم مانتے ہیں اور کہہ لوگ ایرانیوں کی طرح دنیا کو خدا کا سایہ سمجھتے ہیں ۔ میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ اکابرین صوفیا اس مسئلے کی ترویج و اشاعت پر مائل نہ تھے کیونکہ یہہ عوام پر برا اثر ڈالتا تھا ۔ اس مسئلے کو دنیا میں انقلابی عمل انجام دینے کیلئے شیخ اکبر ایسی شخصیتیں درکار ہیں ۔ ورنہ عام حالات میں اس نے عوام پر تخریبی اثرات چھوڑے ہیں ۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی (۲) کا کہنا ہے ۔ کہ " دین الہی " اور فتنہ " نمود و انمود " اسی مسئلے کے غلط استعمال کا نتیجہ ہیں ۔

اس مسئلے وحدۃالوجود سے فناء جبر اور ترک دنیا کے مسائل پیدا ہوئے ۔ نویں صدی کے آخری زمانے میں ابوسعید احمدبن عیسی الخراز نے سب سے پہلے اس مسئلے (۳) کی ترویج و تبلیغ کی اور آہستہ آہستہ اس نے فلسفیانہ افکار کی چھانوں میں سارے نظام فکر پر اپنا گہرا اثر ڈالا ۔

---

۱ ۔ مکتوب مدنی ۔ بک بحوالہ نقد اقبال ۔ ص ۱۷۱

۲ ۔ تاریخ مشائخ چشت ۔ ص ۱۱۴

۳ ۔ " " " ۱۱۹

(۱)
" تمام انبیاء اس لئے آئے ہیں کہ انسان اپنی
فنا اور حق کی بقا ملاحظہ کر سکے ۔ "

(۲)
" فنا میں جو جتنا کامل ہے معرفت میں بھی اتنا
ہی کامل ہے ۔ "

فنا کا مسئلہ بھی فلسفہ کی طرح پرانا ہے۔ خود ہندو نظام فکر کے تقریباً تمام اسکول اسکے قایل ہیں ۔ گیتا میں برہما سے مراد کامل سکون اور یوگ میں برہمہ وہ ناقابل تشریح کیفیت ہے جسے ہم کامل فنا کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں وجود کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ مثلاً گیتا کا فرمان ہے ۔

(۳)
" جو دل اور اندریوں کی حرکات روک سکے وہ اس
مسند پر بیٹھنے کا قصد کرے اور مسلم رہے کہ دل قابو
میں کرنے کو اسٹانگ یوگ ہے ۔ "

گیتا نے یوگ کے اصال اور ترک حرکت کی ہدایت کی ہے۔ یوگ کا سب سے اہم اصول ترک حرکت ہے جو جسم کی حرکت سے لے کر سانس اور ذہن کی حرکت تک پر حاوی ہے ۔ سانکھیہ بدھ مت اور یوگ سب تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام عوامل الم خیز ہیں اور اسی لئے سارے (۴) خارجی عالم میں کچھ نہ کچھ گناہ ہے ۔

مہاتما بدھ نے اسی " فناءِ کامل " کا پیغام " نروان " کے لفظ میں دیا ہے ۔ یعنی جب ساری تمنائیں معدوم ہوجاتی ہیں ۔ نفس حس اور عمل سے بیگانہ ہوجاتا ہے ۔ اور باطل و مجازی مخلوق کی تخلیق کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے تو اس عالم کو نروان کہتے ہیں ۔ نروان حرکت کی آخری فنائیت ہے ۔ لیکن واضح رہے کہ اس حالت کو موت نہیں کہہ سکتے کیونکہ موت تو تناسخ کا شکار ہے ۔ نروان (۵) کے بعد تناسخ کا عمل ختم ہوجاتا ہے۔ اسی مقام پر " نروان " صوفیانہ " فنا " کے قریب ہوجاتا ہے ۔ کیونکہ نروان بھی موت کی نفی کرتا اور فنا بھی کیونکہ فنا کے بعد دوسری منزل بقا کی ہے۔ ملاحظہ ہو

۱۔ شیخ علاالدولہ سمنانی ترجمہ از نفحات الانس ۔ ص ۵۱
۲۔ شیخ احمد سرہندی ۔ مکتوب ۳۷ ۔ ج ۱
۳۔ گیتا ۶ ۔ ۱۲ ترجمہ کھیالال

(بقیہ دوسرے صفحہ پر)

(۱)

"سوحد فنا فی اللہ پر پہونچ کر سالک خدا کی
بقا سے باقی ہوجاتا ہے ۔ فنافی اللہ کی انتہا ہے
بقا باللہ کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔"

صوفیانہ فنا ۰ کی مختصر الفاظ میں ہم یہہ تعریف کرسکتے ہیں کہ سالک اپنی شخصیت اور اپنی خودی خدا کی حضوری میں گم کردے ۔ اپنی خواہش اور اپنی انا کو اسطرح مٹادے کہ عالم سے بےخبری میں اپنی خبر بھی نہ رہے اپنی خودی کا احساس ہی حق اور انسان کے درمیان حجاب ہوتا ہے ۔ اور جب یہہ حجاب اٹھہ جاتاہے تو فنافی اللہ کا درجہ نصیب ہوجاتا ہے

فنا کی دو قسمیں ہوتی ہیں

خارجی اور داخلی

خارجی فنا میں سالک کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی بلکہ وہ اس منزل کی تمام کلفتیں منجانب اللہ سمجھہ کر جھیلتاہے ۔ اور خوش ہوتا ہے ۔

فنا داخلی ـــــ کا درجہ فناء خارجی سے بزرگ و برتر (۲) ہے ۔ اس مقام پر صفات انسانی صفات ربانی سے بدل جاتے ہیں ۔ اور جلالی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے ۔ اسکا ہر فعل ۰ فعل حق ہوتا ہے ۔ اعنی سرمستی میں وہ کبھی "انا الحق" اور کبھی "انی علی کل شی قدیر" کا نعرہ لگاتا ہے ۔

یہاں اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ تصوف کی فنا وید کی مکتی یا بدھ مت کے نروان سے ماخوذ ہے یا قران و احادیث سے مسئلہ صرف یہہ ہے کہ اس فناء کی علمی نکتہ سرائیاں اور معرفت کی پر اسرار منازل عوام الناس کی فہم و بصیرت سے پرے تھیں ۔ بارھویں صدی عیسوی میں تصوف ایک

** بقیہ حاشیہ صفحہ سابق

۴ ۔ ترجمہ تاریخ ہندی فلسفہ ج ۲ ۔ ص ۳۹۷

۵ ۔ تاریخ ہندی فلسفہ ج ۱ ۔ ص ۱۱۱

---

۲ ۔ آئینہ معرفت ڈاکٹر اعجازحسین

زبردست تحریک کی شکل مین اپنے دور کی تاریخ رقم کر رہا تھا ۔ حکیم سنائی نظامی گنجوی اور فریدالدین عطار کے پر تاثیر نغموں کے دوش پر تصوف کے نکتہ سنج مسائل اڑ رہے تھے ۔ اور عوام غنائیت مین ڈوبے ہوے جادو کا غلط شکار ہورہے تھے ۔ مین پہلے بھی کہہ چکا ہون کہ اکابرین صوفیا ان دقیق المطالب مسائل پر عوام مین گفتگو بھی نہ کرتے تھے مگر نغمات کو زنجیرین نہین پہنائی جاسکتین ۔ اشعار کی گردنون مین صوفیانہ تعبیرین نہین ڈالی جا سکتین ۔ بارھوین صدی عیسوی مین فتنۂ تاتار کی قیامت نے سارے عالم اسلام کو خون مین نہلادیا تھا ۔ پردرد عوام ان تقریباً تقریباً رہبانی تقدیر پرست اور بےخود شعری کھلونون مین اپنے دلون کی دھڑکن سنتے تھے اور تسکین پاتے تھے ۔ وحدۃ الوجود اپنی تمام خامیون کے باوجود ایک ایسا آئینہ تھا ۔ جس مین شاہ و گدا دونون کی صورتین یکسان نظر آتی تھین ۔ اموی و عباسی عربی و عجمی نومسلم اور غیر مسلم کی سیاسی آویزش نے تقریباً ہندوستان کی طبقاتی کشمکش کا سا ماحول پیدا کردیا تھا ۔ شخصی حکومتون کے ہاتھون خاندانون کے عروج و زوال نے بدنصیبی کا ایک چکر جاری کر رکھا تھا ۔ ہر جنگ خواہ وہ کسی سے بھی لڑی گئی ہو بلا واسطہ عوام کی معاشی زندگی پر انداز ہوتی تھی ۔ ان تمام حالات نے ایک عام ابتلا و مصیبت کا دور پیدا کر رکھا تھا ۔ اس زمانے مین صوفیاء کرام کی مساواتی تعلیم تخت و تاج سے نفرت اور ایک عالمگیر برادرانہ احساس نے یقیناً اپنے دور مین زبردست اخلاقی خدمت انجام دی ہوگی ۔ لیکن اس مین بھی کوئی کلام نہین کہ اگر صوفیا کرام نے سنون اور ان کے اصحاب کی مقدس زندگی پر عمل کرتے ہوے دنیا کو دنیا کی بھلائی کے لئے فتح کرکے غلام کرلیتے تو تصوف اسلام کی زبردست خدمت انجام دیتا ۔ روم اور ایران مین عیسائی راہبون نے اپنی مجرد زندگی سے گوشہ نشین اور عالم صوفیا کو مسخر کیا ہوگا ۔ افغانستان

افغانستان جب (۱) اسلامی قلمرو کا ایک صوبہ بنا تو وہان کی مذہبی زندگی جو بودھ مت کی گود مین پرورش کی گئی تھی اسلام کے سایہ مین آئی ۔ گمان غالب ہے کہ نومسلم بدھوؤن کی رہبانی فطرت نے اسلامی عزلت گزینی کی نبض کو اور تیز کردیا ہوگا ۔ کیون کہ جب دو بڑی تمدن ٹکراتے ہین تو کم و بیش ایک دوسرے کو متاثر ضرور کرتے ہین ۔ تصوف پر

---

۱ ۔ کشف المحجوب ۔ ص ۸۹ ۔ تاریخ مشائخ چشت ۔ ص ۷۲

حقیقت الہی کے ظہور کے بعد محبت الہی کا دور پڑا جس نے نیم افلاطونی ماورائے عشق کی تفسیر و تبلیغ کی ۔ عشق کو غیر محبوب ہر شے کو فنا کردینے کا جوگر بنایا گیا ۔ اور عشق کا تصوف مین سکہ چلنے لگا ۔ عشقیہ صوفیانہ جذبات نے شاعری کو گلے لگایا ۔ محبوب حقیقی کے حسن و جمال کی توصیف مین عشق مجازی کے استعارے استعمال کئے گئے ۔ صوفی شعراء نے علماء ظاہری کی تنگ نظری کا مذاق اڑایا مگر عوام نے مذہب کی روح اور تصوف کی باریک بینی کو نہ سمجھتے ہوئے مذہب کو ہی مشکوک نگاہون سے دیکھنے کی عادت ڈالی ۔ جس نے قوم کے بگڑتے ہوئے اخلاق کو اور مسموم کردیا ۔ شاعری کی قبولیت نے عشق ، حسن ، بت ، کافر ، معشوق ، واعظ ، زاہد ، ہجر ، وصل ، مے ، جام ، نشہ ، مستی ، بیخودی جیسے بلیغ اشارات کو سطحی معنون مین عوام مین رائج کیا ۔ جس نے ان کی اخلاقی زندگی پر اور برا اثر چھوڑا پھر صوفیاء کرام کے بڑھتے ہوئے اثر اور ان کی نیم رہبانی و رہبانی زندگی سے عوام کی عقیدت نے مادی آسودگی کے حصول کی جد و جہد مدھم کردی جس نے قوم کی اجتماعی زندگی پر یقیناً اثر ڈالا ہوگا ۔ اس مین کوئی شبہ نہیں کہ قرون اولی کے صوفیاء کی راہبانہ زندگی اس ہوسیا زمانے کا لازمی نتیجہ تھی مگر یہہ بھی سچ ہے کہ یہہ راہبانہ زندگی کوئی اجتہادی یا انقلابی زندگی نہ تھی ۔ غرض یہہ تصوف ان ترکون اور ایرانیون کی زندگی مین اپنا اثر دکھلاچکاتھا ۔ جو ہندوستان مین فاتح کی حیثیت سے آئے یہی تصوف اپنی تمام نیکیون اور بدیون کے ساتھہ ہندوستان آیا عرب تاجرون کے جنوبی ہند سے تاجرانہ تعلقات ، محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ اور محمود غزنوی کی مسلسل چھہ دستبرد کا اثر محمد غوری اور اس کے جانشینون کی سلطنت کے سائے مین شدید ہوا ۔ ورود اسلام کا عہد ہندوستانی زندگی کے مکمل انتشار کا زمانہ تھا ۔ سیاسی حیثیت سے سارا ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستون مین منقسم تھا جو راجپوتون کی قبائلی انفرادیت اور خود پرستی سے ہاتھون آپس مین دست و گریبان رہتی تھین جن کا مہلک اثر بالواسطہ اور بلا واسطہ دونون طریقون سے عوام پر پڑتا تھا ۔ تنخواہ دار فوجون کے بجائے راج کی آبادی لشکر فراہم کرتی تھی جنگی اخراجات کا اثر ملکی معیشت کو تباہ کرتا تھا ۔ فتح کسی ایک انفرادی شخص کی ہوتی تھی مگر شکست دونون حریفون کی سماجی اور

اجتماعی خوشحالی کی - تہذیبی زندگی اس سے بدتر تھی - کھشتری راجپوتوں کی سیاسی عظمت (راجپوت شک اور ہون کی نسل سے تھے جو وسط ایشیا سے آکر ہندوستان پر قابض ہوگئے اور جنھوں نے کشک کے زمانے میں تقریباً سارا شمالی ہندوستان روند ڈالا تھا) کے ہاتھوں تباہ تھے - برہمن بودھ مت کی مساویانہ تہذیب کے ہاتھوں مفلوج ہوکر پورانک ہندو تہذیب کے زمانے میں ابھرے مگر وہ ان نئے راجپوتوں کے دربار میں پروہت اور پنڈت ہوکر رہ گئے - دربار کی پالیسی اور عوام کی حکومت ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی - شودروں کا کثیر التعداد طبقہ تقریباً تمام ملک میں سیاسی ، سماجی اور معاشی اعتبار سے جانوروں کی زندگی (۱) بسر کر رہا تھا - وہ سیکڑوں چھوٹے چھوٹے فرقوں میں تقسیم ہوکر زیادہ تر شودروں کی سی یا ان سے کچھ بلند معاشی زندگی گذار رہے تھے - ہندوستان کا نظام فکر جو کثرت میں وحدت کا متلاشی اور حقیقت مطلق کے عرفان کا پرستار رہا ہے انحطاطی دور میں تھا - ایک طرف "یوگی" مکمل رہبانی اور نفی کائنات کی زندگی بسر کر رہے تھے - دوسری طرف برج بانی سادھو مذہب کے نام پر انتہائی گندگی پھیلائے ہوئے تھے - اسی اخلاقی بدحالی کے نام پر فیروز تغلق نے بہار بہار میں ان کے سیکڑوں مٹھ (۲) مسمار کرادئے - مسلمان فاتحین نے سیاسی وحدت کے ہاتھوں ملک میں امن و امان قائم کرکے کسی حد تک ملکی معیشت کو سنبھالا - لیکن عوام کی سماجی اور معاشی زندگی میں کوئی انقلاب برپا نہ ہوسکا - صوفیاء کرام کے تبلیغی کارنامے صرف ان کی انفرادی اخلاقی عظمت ہی کے نہیں بلکہ ملک کی عام سیاسی ، معاشی اور سماجی بدحالی کے بھی مرہون کم ہیں - ہندو عوام کے شودر طبقے نے اسلامی تبلیغ میں اپنی سماجی برتری زیادہ اور معاشی بہتری کم محسوس کی لیکن پھر بھی یہ برتری اور بہتری ان کی ہزار سالہ تاریخ میں ایک معجزہ رکھتی تھی - اس لئے انھوں نے اسلام کو خوش آمدید کہا - وحدت الوجود کی صوفیانہ تشریح میں طبقاتی تقسیم پگھلتی ہوئی نظر آئی - چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہ رہی - اس خمخانہ عام میں بلا تفریق امتیاز و ملت عوام نے اپنے مستقبل کو ساغر بکف دیکھا تھا - مساوات کی اس جلوہ نمائی نے صوفیاء کرام کی وہ تبلیغ جسکی پشت مراحم خسروانہ سے خالی تھی کامیاب بنائی - اسلامی تمدن کی اس زرین سعادت سے ملک کا ایک بہت ہی محدود

---

۱ - قومی تہذیب کا مسئلہ - ڈاکٹر عابد حسین

۲ - ہندی ساہتیہ کا اتہاس - پنڈت رام چندر شکل - ص ۷

طبقہ مستفید ہوسکا ۔ غالب اکثریت اپنی پرانی تہذیب کی ازلی طبقاتی تقسیم کی سماجی ذلت اور اقتصادی چیرہ دستی کو کم کا لکھا کہکر بھگتتی رہی ۔ مسلمان نظام حکومت وقتی تھا ۔ کشمیر آبادی کی ان گنت اکائیان گانوں کی صورت میں متعلقہ جاگیروں اور امارتوں کے اقتدار میں نیم آزادی کی زندگی گذارتی رہیں ۔ دارالسلطنت اور اہم مراکز کی تبدیلی اقتدار یا خانہ جنگیوں سے ان کا صرف اتنا ہی تعلق تھا اگر ان کے علاقوں سے طرفین کے لشکر گذریں تو حسب الارشاد اور حسب توفیق جان و مال کا نذرانہ پیش کریں ۔ کیونکہ وہ اس پرتاؤ کے صدیوں سے عادی تھے ۔ یہ سلسلہ محمود غزنوی سے اکبر تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ اور عالمگیر کے آخری ایام سے ۱۸۵۷ء تک مسلسل قائم رہا ۔

قطب الدین ایبک سے عالمگیر ثانی کے بعد تک درباری اور تہذیبی زبان فارسی رہی ۔ سکھ اور مرہٹہ حکومتیں جو تیموری کھنڈروں پر استوار ہوئی تھیں سیاسی اور ملکی مصالح کی بنا پر فارسی بولتی تھیں ۔ غالب نے اردو میں خطوط اس لئے لکھے تھے کہ ان کے پاس فارسی میں مضمون آفرینی کے لئے وقت نہیں تھا ۔ اس طرح ہندوستان فارسی ادب و انشا اور علم و حکمت سے مکمل طور پر شناسا ہوچکا تھا ۔ تصوف جو اپنی مقبولیت کی بنا پر فارسی شاعری کا دل کہا جاتا ہے ۔ شعری کارناموں ادبی شخصیتوں اور صوفی مبلغوں کے ہاتھوں ہندوستانی نظام فکر میں ایک مقتدر حیثیت حاصل کرچکا تھا ۔ ہندوں نے اور مسلمانوں کے صدیوں پرانے تہذیبی معانقے نے فارسی اور دیسی زبانوں کے اختلاط سے ایک "نئی بولی" وضع کرلی تھی ۔ جو ہندی ، ہندوی ، دکھنی اور ریختہ کے نامون سے مشہور ہوکر آخر میں " اردو زبان " کہلائی ۔ یہ جدید زبان اپنے ایام طفولیت میں دربار سے زیادہ خانقاہ اور بازار سے متعلق تھی ۔ بازاروں نے اسے قبولیت عام کی سند دی اور خانقاہوں نے ادبی مقام عطا کیا ۔ صوفی جو فارسی ادب میں کامل دستگاہ رکھنے کے علاوہ اسلامی علوم کے عالم اور اسلامی تبلیغ کے زبردست سپاہی ہوتے تھے ۔ انھوں نے اپنی تبلیغی ضرورتوں سے مجبور ہوکر ہندی عوام سے ربط و ضبط قائم کرنے اور اپنے جلیل مقصد کی تکمیل کی خاطر اس جدید زبان کو علمی طور پر (۱) نوازا ۔ یہی وجہ

---

۱ ۔ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا حصہ ۔ مصنفہ مولوی عبدالحق ۔ ص ۵

ہے کہ اردو کے ابتدائی نمونے نظم کے بجائے نثر میں ملتے ہیں ۔ کیونکہ یہہ مذہبی تبلیغی نثر لکھنے والے اپنے شعری وجدان کی تسکین فارسی کے ذریعہ کرلیتے مگر اردو ان کی مذہبی زندگی کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی اس لئے اس سے ان کا تعلق عابدانہ رہا ہے ۔ جب ان حضرات نے نثر سے نظم کی منزل میں قدم رکھا تو تصوف کے مسائل اور ان تعبیروں سے اپنے کلام کو محفوظ نہ رکھہ سکے ۔ اس طرح اردو شاعری کی ابتدا تصوف سے منسلک ہوی ۔ چونکہ مغل سلطنت کی شام سے اردو شاعری کی محفل سجھنا شروع ہوی اس لئے اسی خاندان کے زمانے کے تصوف کا ذکر مناسب ہے ۔ یہہ بجا ہے کہ مغلوں سے بہت قبل ہندوستان صوفیا کار کے مختلف خانوادوں کے سلسلوں سے فیضیاب ہوچکا تھا ۔ مگر تصوف کے اہم ترین مسئلے وحدۃالوجود کی تعبیر و تشریح کے تباہ کن اثرات کا سلسلہ اس عہد میں دراز ہوتا ہے ۔ اسلئے مجبوراً مغل دور سے بحث کرنا ہے ۔

(۱) " عہداکبری میں علماء و صلحاء کی کوئی کمی نہ تھی ۔ بدایونی اور دوسرے مورخین نے جو فہرست دی ہے اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس دور کو علم تصوف کا عہد زریں سمجھنا چاہئے ۔ "

** مہدویت

لیکن عہداکبری کے تصوف سے پہلے مہدوی تحریک کا ذکر ضروری ہے ۔ اس کے بانی ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوے اور سید محمد جونپوری کے نام سے مشہور ہوے ۔ علماء نے انہیں اسدالعلماء کا خطاب دیا ۔ اوایل عمر میں داناپور کے حاکم سلطان حسین کو راجہ دلیپ رائے کے خلاف جسکا وہ پاجگذار تھا ابھارا اور راجہ کو سلطان حسین کی رکاب میں لڑکر شکست دی (۲) لیکن جنگ کے بعد بارہ برس تک جنگل میں روپوش رکھہ کر زندگی گذاری اور اسی زمانے میں " مہدویت " کا دعوی کیا ۔ اپنے دعوی کی بے ثباتی کے باوجود گجرات اور دکن میں مقبول رہے ۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی مگر قوم کی گرویدگی میں فرق نہ آیا ۔ اس تحریک کے نتائج وہی ہوے جو ہونا چاہئے تھے ۔ یعنی ان کے ماننے والے یہہ تسلیم کرنے کے علاوہ کہ وہ مہدی ہیں قیامت کی آمد کے منتظر رہے ۔ اور انتظار

---

۱ ۔ رود کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۱۲۶

۲ ۔ مشاہیر اسلام ۔ خواجہ عبداللہ اختر

کی اس لعنت میں دنیا کی ناپائداری اور نفی کائنات پر زور دیتے ۔ ان کے اکثر پرستاروں نے اپنا مال و اسباب بیچ کر فقیری لے لی ۔ خود سید محمد جونپوری سلیم شاہ سور کے درباری عالم مخدو مخدوم الملک کی تحریک پر کئی کئی کھاتے کھاتے مرگئے ۔

•• شطاریہ

عہد ہمایوں میں ہند میں شطاریہ طریق تصوف نے فروغ پایا ۔ یہ سلسلہ شیخ بایزید بسطامی سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ ترکی میں بسطامیہ کے نام سے مشہور ہے ۔ دوسرے سلسلوں کے مقابلوں میں یہ لوگ سلوک اور طرق طریقت کی راہوں میں زیادہ انتہا پسند واقع ہونے کی وجہ سے بھی " شطاری " کہلاتے ہیں ۔ ہندوستان میں شیخ عبداللہ شطاری نے اس سلسلے کو دراز کیا لیکن شیخ محمد غوث گوالیاری بہت مشہور ہوئے ۔ جب بابر نے گوالیار پر فوج کشی کی تو شیخ نے معاونت کرکے اپنا اثر ڈالا ۔ شاید اکبری سیاست میں دخیل ہوجاتے (۱) مگر اپنے رسالہ " معراجیہ " کی تصنیف کے ہاتھوں خوار ہوئے ۔ "معراجیہ " میں شیخ نے اپنی معراج کے متعلق ذکر کیا ہے " بحرالحیوۃ " میں ہندو یوگیوں اور سنیاسیوں کے اقوال و اعمال درج کئے ہیں ۔ عہد اکبری کے پہلے صدر شیخ گدائی نے ان پر سخت اعتراضات کئے ۔

شیخ محمد عبداللہ شطاری اور شیخ محمد غوث گوالیاری دونوں نے نہ صرف خود رہبانیت اختیار کی بلکہ عوام کو بھی اس رہگذار کا سالک بنوایا ۔ شیخ نے کوہ نہار کے دامن اور جنگل میں بارہ برس تک درختوں کے پتے کھاکر اور ایک غار میں بیٹھ کر سخت مجاہدے کئے ۔ اور ترک دنیا کی تعلیم دی ۔ لیکن اکبر نے ایک گراں بہا جاگیر بخش دی جسکی بدولت شیخ نے گوالیار میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور جہاں ہر وقت سماع و سرود و وجد کا شغل رہتا ۔

(۲) " گویند از جناب شہ عرش آشیانی یک کرور دام وظیفہ مقرر بود ... در " ذخیرۃ الخوانین " آوردہ کہ شیخ نہ لک روپیہ را جاگیر داشت و جمیل فیض در فیوض اوی رفت "

---

۱ ۔ رود کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۲۲

۲ ۔ مآثرالامراء ۔ ص ۲۱

اس بیان سے شیخ کی "رہبانیت" پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ شیخ نے ۸۰ (اسی) برس عمر پائی اور ۹۷۰ ھ میں وفات پائی۔

*** قادریہ

سلسلہ قادریہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ہے اور پنجاب و سندھ میں بہت مقبول رہا۔ جس وقت چشتیہ اور سہروردیہ خاندانوں کا اثر مدھم ہونے لگا اس خانوادے نے اپنی توقیر بڑھائی۔ اسلامی علوم و فقہ کی ترویج نے متشرع صوفی مزاج لوگ جو چشتیہ اور دوسرے خاندانوں کی سماع پسندی سے بیزار تھے اس خانوادے سے منسلک ہوئے۔

مخدوم محمد گیلانی۔ مخدوم عبدالقادر ثانی۔ شیخ داود کوہانی اس سلسلے کے زبردست بزرگ ہیں۔

مخدوم محمد گیلانی نے اس سلسلے کو ہندوستان میں اپنی ذات سے افتخار بخشا۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا معتقد تھا۔ آپ شاعر بھی تھے۔

رندم و قلندرم و چالاک۔ مستم و بدم و بیباک
جامم و صراحیم و بادہ۔ در و صدفم و بحر خاشاک

لیکن اس خاندان کے سب سے اہم فرد شیخ داود کوہانی ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث رقمطراز ہیں۔

(۱) "صاحب حال صحیح وکشف صریح در حین سلوک ریاضات شاقہ و مجاہدات فوق الطاقہ کشیدہ۔"

پہلے آپ نے بڑی سخت ریاضتیں کیں اور برہنہ سر و برہنہ پا دیہاں پور کے علاقہ میں پھرتے رہے۔ پھر شہر گڈہ میں اقامت پذیر ہوئے اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ آپ کے لئے بدایونی لکھتا ہے۔

(۲) "وکم روزے بود کہ صد صد و پنجاہ پنجاہ ہندو و کم وبیش بافیل و نہار خویش آمدہ در ملازمت آنحضرت بشرف اسلام نمی پیوستند وتلقین نمی گرفتند"

۱۔ (ذکر حضرت خواجہ باقی باللہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۲۔ طبقات اکبری

*** چشتیہ

اکبر کی تخت نشینی سے کچھہ قبل اس خانوادے نے جو حضرت چراغ دھلی کے وصال کے بعد منتشر ہوگیاتھا شیخ عبدالعزیز دھلوی کو پیدا کیا جو شیخ حسن طاہر جونپوری کے فرزند تھے۔ آپ بھی ترک دنیا کے بڑے سد رمد سے قائل تھے۔ شاہ ولی اللہ بھی لکھتے ہیں ۔

(۱) " شیخ عبدالعزیز محتاجون کی حسب حاجت روای مین بڑی کوشش کرتے تھے۔ جب وہ شیخ قاضی خان کے پاس پہونچے تواپنا مال و متاع ، گھوڑا گاڑی جوکچھہ اپنے پاس تھا سارا کا سارا راہ خدا مین نثار کردیا ۔ "

شیخ عبدالعزیز سے زیادہ شیخ سلیم چشتی کا مرتبہ بلندتھا ۔ آپ وہی بزرگ ہین جن کے نام پر " جہانگیر " کا نام پڑا ۔ اور اونھین بزرگ کی عقیدت مین اکبر نے فتحپور سیکری کو دارالخلافہ بنادیا۔ آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل شیخ مجددالدین ملک العلما سرھندی سے کی ۔ پھر بلاد اسلامیہ کی سیر کے ساتھہ حج بھی کئے۔ عرب مین آپ شیخ الہند اور ہند مین شیخ الاسلام کہلائے ۔ ہندوستان کی واپسی مین فتح پور سیکری کے پہاڑ و ن مین آپ شدید ریاضتین کین ۔ عموما روزہ سے رہتے تھے۔ جاڑ و ن مین ایک پیرہن کے علاوہ کچھہ نہ پہنتے تھے۔ اکبری داد و دہش کی بدولت آخر عمر امیرانہ بسر کی ۔ شیخ عبدالحق محدث کا ارشاد ہے ۔

(۲) " و بعضے عادات مخالف شریعت کہ متعارف عوام باشد نیز روداد ۔ "

*** صابریہ

حضرت صابر کے بعد اس خانوادے کی اہم شخصیت مخدوم علاالدین علی احمد صابری کلیری تھے ۔ ان کے خلیفہ شمس الدین اور ان کے خلیفہ اعظم شیخ جلالالدین کبیرالاولیا پانی پتی نے اس سلسلے کو وسعت تنظیم دی ۔

---

۱ ۔ بحوالہ رود کوثر ۔ مصنفہ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۳۲

۲ ۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی بحوالہ رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ص ۳۶۰

جب حضرت چراغ دھلی کے بعد نظامیہ سلسلے کا اثر کم ہوا تو اس خانوادے نے اقتدار حاصل کیا اور شمالی ہندستان مین مقبول ہوا - اسی سلسلے کے ایک بزرگ شیخ جلالدین تھانیسری گرو ارجن کے ساتھہ جہانگیر کے ہاتھون معتوب ہوے کیونکہ ان دونون بزرگون پر خسرو کی حمایت کا الزام تھا - اس سے قبل جب اکبر نے محمد حکیم مرزا کے خلاف مہم کی ہے تو اس نے شیخ سے ملاقات کی - شیخ نے مسئلہ وحدتالوجود کے متعلق یہہ رباعی پڑھی -

آفتابے در ہزاران آبگینہ تا ختہ
برنگے ہر یکے تاب عنا ن اندا ختہ
جملہ یک نور است اما رنگہاے مختلف
اختلا ف درمیان این و آن اندا ختہ

اس طرح ایک سرسری جائزے سے بھی اس بات کو تقویت ہوتی ہے کہ ہندستان کے تقریباً تمام اہم مروجہ خانوادون مین بنیادی فرق و تفریق معدوم ہ لا اور ان کا عوام پر مجموعی اثر یکسان ہے - پھر اب سے ایک سو سال پہلے تقریباً ہر شخص کسی نہ کسی خانوادے سے منسلک تھا - ظاہر ہے اکبری دور مین اس " رواج " مین یقیناً شدت رہی ہوگی - مگر جب ہم خود اکبری عہد مین مذہبی بدعتون کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں تو مجبوراً یہہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ تمام مذہبی جدتین جو اکبر کے ہاتھو ظہور پذیر ہوئین - صوفیا کرام کے وحدتالوجود کی غلط تعبیرون کا نتیجہ تھین -

اکبر کا دین الہی اور مذہبی آزاد روی وحدتالوجود کی ایک گمراہ رو تھی سہی مگر وہ اسی نظام فکر سے متعلق ہے - اس مین کوئی شک نہین کہ دین الہی کی پیدائش مین علما ء زمانہ کی وہ نفس پرستیان (۱) بھی شامل تھین جن کی وجہ سے اکبر مذہب سے بیزار ہوا - مثلاً مخدوم الملک اور صدرالصدور کی چشمکون نے باقاعدہ طور پر دو گروہ بنادئے تھے جو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے تھے - اتنا ہی نہین بلکہ مخدوم الملک نے انتہائی سختی برتتے ہوے بہت سے ان معزز علماء کی جانین لے جنھون نے ذرا بھی آزاد روی کا ثبوت دیا - سید محمد جو بانی مہدویت سلیم شاہ سوری کے عہد مین انھین مخدوم الـ

---

۱ - بدایونی بحوالہ رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام - ص ۵

شکار ہوئے ۔ شیخ علائی بھی مخدوم الملک کی شہرت پرستی سے محفوظ نہ رہے اور جان دی انھیں مخدوم الملک کے انتقال پر نہ صرف وراثت میں تین کروڑ روپیہ ملا بلکہ گورخانے سے سینکڑوں سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں ۔ ظاہر ہے کہ اکبر کو علماء کی ان حرکتوں نے اسلام ہی سے بدظن کردیا ۔ آخر کار مخدوم الملک اور صدرالصدور کو حج کے بہانے سے ملک بدر کردیا گیا ۔

اس کے علاوہ اکبر کے گرد جن علماء کا حلقہ تھا وہ بہت ہی آزاد خیال تھے ۔ مثلاً فیضی اور ابوالفضل ۔ فیضی شاعر بھی تھا ۔ اس کے یہ اشعار ۔

زبان کشیدہ بدا رالقضائے عجب دریا
شہور کذب زدعوے گران آسمانی
اگر حقیقت اسلام در جہان این است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

مروجہ مذہب کے انحطاط پر دلالت کرتے ہیں ۔

جہانگیر نے ابوالفضل کا ذکر " توزک " میں کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ابوالفضل نے اکبر کے دل میں یہ بات بٹھادی تھی کہ قرآن مجید خود رسول کی تصنیف ہے ۔ یہ مسئلہ صرف اکبری عہد ہی نہیں بلکہ اس کے بعد بھی اہمیت رکھتا ہے ۔ عہد شاہجہانی کے مشہور عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی نے رسالہ کتاب نبوت میں رقم فرمایا ہے ۔

" جبریل محمد در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم
و ہمچنین جبریل باہر پیغمبرے در ذات وے
بود و آن قوت وحی برایشان نازل می گردید و
لہذا جبریل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ ۔ "

لیکن ابوالفضل اپنی نکتہ سنج طبیعت کے باوجود اپنے آپ کو اسلام کی ظاہری نعمتوں سے مالامال کرنے کی آرزو رکھتا ہے ۔ شیخ نظام پانی پتی کو ایک خط میں آرزوئے حج کے اظہار میں لکھتا ہے ۔

کے بود یارب کہ رود بشرب و بطحا کنم
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

بر کنار زمزم از دل بر کنم یک زمزمه ۔
و ز دو چشم خونفشان آن چشمه را دریا کنم

بہرحال اس طرح اکبری دور کی مذہبی آزاد خیالی کا اندازہ ہوجاتاہے اور یہہ بھی گمان ہوتاہے کہ یہہ تمام آزاد منش دماغ وحدتالوجود کے سایۂ مین پرورش پائے ہین ۔ عرفی جو عالم نہین صرف شاعر ہے مروجہ علم و حکمت سے متاثر ہو کر کہتا ہے ۔

حرم جویان درے را می پرستند
فقیہان دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاران دیگرے را می پرستند

**

حضرت مجدد الف ثانی

**

ہندوستان مین صوفیاء کرام کے تمام سلسلے ایرانی تھے ۔ یا ایران کی علمی سرحد عراق کی پیداوار تھے ۔ قادریہ کے بانی عبدالقادر جیلانی بغداد کے باشندے تھے ۔ سہروردیہ ۔ سہرورد سے متعلق تھا جو بغداد سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤن تھا ۔ چشتیہ چشت کی پیداوار تھا جو خراسان کی ایک بستی ہے ۔ یعنی ان تمام سلسلون پر بجائے سامی تصوف کے عجمی تصوف کا اثر تھا ۔ لیکن خواجہ باقی باللہ جس سلسلے کو ہندوستان لائے وہ ماوراالنہر کی دین تھا ۔ یہی نقشبندیہ سلسلہ وہ خانوادہ ہے جو شرع کی پابندی پر بہت زور دیتاہے ۔ سماع کی ممانعت ہے ۔ ذکر خفی کی تلقین اور فرائض شرعی کو نوافل پر ترجیح دیتاہے ۔ اس طرح ان خانوادون سے جو دور عباسیہ کی عجمیت کے پروردہ ہین منفرد نظر آتاہے ۔ اور مدینہ کے محدثین و فقہاسے قریب نظر آتاہے ۔

لیکن یہہ سلسلہ بھی باوجود " سامیت " اور شریعت [illegible] کے فکری طور پر ابن عربی کے فلسفہ وحدتالوجود کا حامی تھا ۔

مجدد الف ثانی نے سب سے پہلے فلسفہ وحدت الشہود کا نظریہ قائم کر کے طریقت اور شریعت کو قریب لانے کی کوشش کی ۔ فلسفہ وحدۃ الوجود اور وحدت الشہود دونوں خدا اور مخلوقات کے تعلق سے بحث کرتے ہیں ۔ اور اپنے مطالب کے لحاظ سے توحید عینی اور توحید ظلی کہے جاسکتے ہیں نواب سر احمد حسین نظام جنگ بہادر نے اپنی کتاب "فلسفہ فقرا" [1] میں ایک نقشے کے ذریعے اس فرق جو ان دونوں نظامہائے فکر میں ہے واضح کیا ہے ۔

(۱)

وحدۃ الوجود (ہوالکل)	۔	وحدت الشہود (ہوالہادی)
نظریہ ہمہ اوست یا اندر ہمہ اوست	۔	نظریہ ۔ ہمہ از وست
رجحان تصوف ۔ سکون کی طرف مائل	۔	رجحان تصوف ۔ جوش کی طرف مائل
میں اور وہ جدا نہیں ۔ میں قطرہ ہوں تو وہ دریا ہے ۔	۔	اس کے ساتھ میں ۔ اور میرے ساتھ وہ ۔
وصل	۔	عشق
اعتقاد ۔ میں کون ان الحق عارف	۔	اعتقاد ۔ میں کون اناعبدہ ۔ عاشق

یعنی مختصر الفاظ میں اس نظام فکر کی تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ وجود کائنات اور اسکے گوناگون آثار و صفات واحد مطلق کی ذات و صفات کا عکس و سایہ ہیں جو عدم میں منعکس ہورہا ہے ۔ لیکن یہ وہ سایہ عین حقیقت نہیں بلکہ صرف اس عالمگیر حقیقت کی ایک مثال ہے ۔ اس طرح حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود کی پیدا کردہ لا مذہبی اور رہبانیت پر مہلک وار کئے گو کہ ان کا مقصد مقدس تھا مگر نہ صرف پوری طرح وہ کامیاب نہ ہوسکے بلکہ خود اپنے دور میں ان کی شدید مخالفت ہوئی ۔ یہ مخالفت کبھی تو ان کے ترقی پسندانہ اور انقلابی نظام فکر وحدت الشہود کی بدولت ہوئی اور کبھی ان عرفان و سلوک کی منزلوں کے اظہار کی وجہ سے ہوئی جسکا انھوں نے اپنے مکاتیب میں ذکر کیا ہے ۔

---

۱ ۔ فلسفہ فقراء بحوالہ رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۱۹۶

ترجمہ (۱)

" دوسری عرض یہہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے وقت اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ نماز و عاجزی سے توجہہ کرنے کے بعد اس سے اوپر پہونچا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ذوالنورین کا مقام ہے ..... معلوم ہوا کہ یہہ حضرت فاروق اعظم کا مقام ہے ..... اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر کا مقام ظاہر ہوا۔ بندہ اس مقام پر بھی پہنچا۔ "

بہرحال شیخ مجدد نے وحدت الشہود کے فلسفے کے ذریعہ زمین سے نزدیک رہنے کی کوشش کی۔ لیکن آخرکار وہ تصوف کے ہاتھوں روحانی مسائل کا شکار ہوکر رہ گئے۔ اور وہ خدمت جو قوم کی ہوسکتی تھی نہ ہوسکی آگے چل کر ان کے پرستاروں نے " قیومیت " کی بحث چھیڑ کر ان کی تعلیمات کو اور پر اسرار بنادیا۔ گو کہ بظاہر حضرت مجدد کے پیغامات اس " قیومیت " سے عاری ہیں۔ مگر ان کے " بہی خواہوں " کے ہاتھوں عوام ان کی شخصیت کے اس رخ سے یقیناً متاثر ہوئے۔

**

شاہ ولی اللہ

****

وفات عالمگیر سے ۴ سال قبل شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے۔ آپ شاہ عبدالرحیم کی اولاد میں تھے جو کسی ایک خانوادے سے متعلق نہ تھے بلکہ ہر سلسلے سے فیضیاب ہوئے۔ شاہ ولی اللہ سے دوسری مذہبی خدمات کے علاوہ مثلاً ترجمہ قرآن اور "حجتہ اللہ البالغہ "کی تصنیف تصوف کی رہبانیت اور اسکی نفی کائنات پر اپنی مجتہدانہ شخصیت کا اثر ڈالا۔ شاہ صاحب نے تصوف میں متعدد کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب " لمعات " ہے جسکا اردو ترجمہ " نفحات " کے نام سے شایع ہوا ہے۔ ایک رسالہ " فیصلہ وحدت الوجود والشہود "تصنیف کیا۔ جس میں شیخ اکبر کے وحدۃالوجود "کی تاویل کرکے اسے شیخ مجدد کے وحدت الشہود کے مطابق

---

۱ ۔ دفتر اول ۔ و مکتوب یازدہم ۔ حضرت مجدد الف ثانی

ثابت کیا ہے۔ "القول الجمیل" میں بیعت کے طریقے اور فائدے بیان کئے ہیں۔ "تفہیمات الٰہیہ" جو کہ عربی اور جو کہ فارسی میں ہے تصوف کے مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ "الطاف القدس" اور "خیر کثیر" بھی تصوف سے متعلق تصانیف ہیں۔

شاہ صاحب نے صوفی کی حیثیت سے اعتراف کیا۔ کہ جو لوگ قوم کی خاطر کوئی قربانی کرنا چاہتے ہیں انہیں بھی اس راہ سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور جذباتی و روحانی بلندیوں کے عاشق ہیں وہ بھی اس راہگذر سے گذرتے ہیں۔ انہیں نے شاید پہلی بار یہ تعلیم دی کہ سیدھی سادھی صوفیانہ ریاضتیں اور ذکر و شغل جن کا شرع سے کوئی اختلاف نہ ہو جائز ہیں نہ صرف یہ بلکہ یہ صوفیانہ ریاضتیں شرعی فرائض کی تکمیل کے بعد شروع ہوتی ہیں اور شخصی ہوا و ہوس غصہ ، حسد ، انتقام اور بزدلی کو انسانی شخصیت میں کم کرتی ہوں۔

اس کے باوجود شاہ صاحب نے ایک نقاد کی حیثیت سے تصوف پر کڑی تنقید بھی کی ہے۔ ان کی تیسری وصیت ہے۔

"وصیت دیگر آن است کہ دست در دست مشایخ این زمان کہ بانواع بدعت مبتلا ہستند ہرگز نباید داد و بیعت ایشان نباید کرد۔ و بغلو عام مغرور نباید کرد و نہ بکرامات زیرا کہ اکثر غلو عام بسبب رسم است و امور رسمیہ بحقیقت اعتبار نیست و کرامات فروشان این زمانہ ہمہ الاماشاالله طلسمات و نیرنگ را کرامات دانستہ اند۔" (۱)

اس کے علاوہ آپ نے "نفی خودی" پر بھی مفصل بحث کی ہے۔ اور روشنی ڈالی ہے اور اس کو قوم کے حق میں انتہائی مضر سمجھا ہے۔

"بالجملہ افراط در مقدمات انسلاخ استہلاک و مغفول شدن ہرکس و ناکس بان دا رعضال امراض شدید در ولت مصطفویہ۔ خدا رحمت کاد کسے را کہ سعی احمال آنہا کند۔ (۲)"

---

۱ ۔ رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۳۶۲

شاہ کے اس قول کا ثبوت ان کی اپنی زندگی میں بھی ملتا ہے یعنی آپ نے نہ تو مذاہب اربعہ (۱) میں سے کسی کی قید لگائی اور نہ کسی سلسلہ طریقت سے اپنے آپ کو وابستہ کیا۔

لیکن پھر بھی شیخ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ کیونکہ اول تو سیاسی اعتبار سے شیخ کو جو زمانہ ملا ہے وہ ہندستان میں اسلامی عہد کا بدترین دور تھا۔ شیخ سے قبل جب عالمگیر جسکی پشت پر روئے زمین کی ایک زبردست سلطنت کا اختیار و اقتدار تھا نہ کامیاب ہو سکا تو شیخ کی کیا بساط تھی۔ قوم کی اخلاقی بدحالی اور پستی کا اندازہ اس دور کی تاریخ سے کیجئے۔ عقلی اعتبار سے وحدۃ الوجود اور وحدت الشہود داراشکوہ اور عالمگیر کی سرگرمی میں انتہائی سختی کے ساتھ ایک دوسرے پر نکتہ چین رہے۔ داراشکوہ نے ہندو موحدین کی عظمت کا اعتراف ہی نہیں بلکہ قرآن کو پران سے متاثر یا ایک حد تک ماخوذ سمجھا۔ برخلاف اس کے عالمگیر نے دکھن کی شیعہ حکومتوں کو کافر کہا ہے۔ عوام کی علمی سطح کا اندازہ اس عہد کے ان دو اکابرین کی آرا سے کیا جاسکتا ہے قوم کی اخلاقی اور عملی زندگی اس سے بھی بدتر تھی۔ ہنٹر کہتا ہے۔

ترجمہ (۱)

"لیکن اکبر کا بیٹا اور نہ اس کا پوتا شاہجہان بدچلنی اور بداخلاقی کے اس طوفان کو روک سکا جو الحاد و تشکیک کی تین نسلوں کے دوران بڑھتا چلا آتا تھا۔ اکبر کے ایک بیٹے نے شراب پی پی کر اپنے آپ کو ہلاک کرلیا تھا۔ جب اس کی شراب بند کی گئی تو (وہ ہندوؤں کی نالی میں چوری سے منگوالیا کرتا تھا۔ دہلی کا وہ محلہ جسے شیطان پورہ کہتے ہیں اکبری عہد کی یادگار ہے۔ بدچلنی کے سیلاب کے ساتھ توہم پرستی بھی آگئی تھی۔ جادوگروں، رمالوں اور کرامت کے دعویداروں سے دارالخلافہ بھرا پڑا تھا

۱۔ حیات ولی۔ ص ۲۷۲

۲۔ بہار سے ہندوستانی مسلمان ص ۱۱۲ مترجمہ سر سید احمد خاں

مغل دربارون کا ایک فرانسیسی طبیب لکھتا ہے ۔ یہان
دو پیسے لے کر آدمی کی قسمت بتائی جاتی ہے اور اس
جگہہ ایک کونے مین ایک پرتگیز خوش دوسرون کے ساتھہ
دری پر بیٹھکر پول و نجوم کی باتین لوگون کو بتاتا
اور اپنی انجیل کی تصویرون کو نجوم کے برج بتاکر اور
اپنا قطب نما استعمال کرکے اپنا الو سیدھا کرتا ہے ۔ *

عالمگیر نے قوم کی بدحالی کے اس عالم کو محسوس کرکے اصلاحات کین ۔ تخت نشین ہونے کے بعد ہی اس نے بھنگ کی کاشت ممنوع قرار دیدی ۔ شراب نوشی قانوناً بند کی ۔ جوا اور بدکاری کے خلاف سخت قانونی چارہ جوئی کی ۔ بدچلن عورتون کی زبردستی شادیان کرائین یا ملک بدر کیا ۔ ستی کی ممانعت کی ۔ بچون کو غلام اور خواجہ سرا کے طور بیچنے کے خلاف احکامات جاری کئے ۔ لیکن قوم پستی اور انحطاط کے اس دور مین تھی کہ اس عالمگیر کو اپنی آخری عمر مین باوجود اپنی انتہائی کوششون کے یہہ اعتراف کرنا پڑا ۔

(۱)

آدم ہوشیار ۔ امانت دار ۔ خدا ترس آبادان کار کامیاب

آنچہ بر جستم و کم دیدم و بسیار ست و نیست
نیست جز آدم درین عالم کہ بسیار ست و نیست

ایک اور جگہہ لکھتا ہے ۔

(۲)

حالانکہ کس برائے دیوانی بنگالہ کہ بہ حلیۂ راستی
و کاردانی آراستہ باشد ۔ می خواہم یافتہ نمی شود ۔
از نایابی آدم کار ۔ آہ ۔ آہ ۔ *

عہد عالمگیری مین آرام طلبی اور عیش پرستی کے ساتھہ ساتھہ غداری اور بے ایمانی بھی قومی بداخلاقی کا ایک جزو بن گئی تھی ۔ نہ صرف عوام بلکہ خواص اور شاہزادے تک اس لعنت کا شکار تھے ۔ جنجی کے محاصرے مین شاہزادہ کام بخش جو ذوالفقار خان کے ساتھہ سپہ سالار تھا ۔ راجہ رام کے ساتھہ باپ کا مخالف ہوگیا ۔ لیکن کامیاب نہ ہوکر گرفتار ہوا ۔ ستارہ مین مرہٹون نے شاہزادہ محمد اعظم کو رشوتین دے کر طے کرلیا تھا

---

۱ و ۲ ۔ رود کوثر مصنفہ شیخ محمد اکرام ۔ ص ۳۱۸

کہ وہ ان کی رسد رسانی مین مخل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیر کی فتوحات جو برسون مین حاصل کی جاتین اسکی غیر حاضری مین دنون مین نکل جاتین ۔ جب ۱۷۰۴ء مین عالمگیر دکن چھوڑ کر " واکن کھیڑہ " کی طرف متوجہ ہوا تو صرف چند ہفتون مین ستارہ ، پرنالہ اور باؤ باؤ گڑھ کے زبردست قلعے مغلون کے ہاتھہ سے نکل گئے۔ امراء اور عوام کی اخلاقی مفلسی کا اندازہ عالمان وقت کے اختلاف سے کیا جاسکتا ہے۔

خواجہ محمد معصوم جو عالمگیری عہد کے زبردست عالم اور " تیمومیت " کے دعوے دار تھے انھون نے ایک بار اپنے بیٹے شیخ سیف الدین کو " امر بالمعروف و نہی عن المنکر " کے لئے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا۔ ان کا انداز رہائش خود ان کے ایک پوستار کی زبان سے سنئے۔

(۱)

" حضرت شیخ کے لئے ایک خیمہ دیبا کا جواہرات اور مروارید سے نکاہوا سرہند مین نصب تھا۔ جس کی چوبون پر یاقوت جڑے تھے۔ اس خیمے کے اندر ایک جڑاؤ کرسی رکھی تھی جس پر آنجناب جلوہ افروز ہوتے اور جس کے گرداگرد نقیب و چوبدار ہاتھون مین سنہرین اور روپہلی عصائے ہوے کھڑے ہوتے۔ بادشاہ اور شاہزادے اور امراء حاضر خدمت ہوتے اور جب تک حکم نہ ہوتے نہ بیٹھتے ۔ "

عالمگیری " قاضی القضاۃ " قاضی عبدالوہاب نے اپنی وفات پر ایک لاکھہ اشرفیان ، اور پانچ لاکھہ روپیہ نقد علاوہ جواہرات اور اثاث البیت کے چھوڑا ۔ یہی جمع اموال وہ مخدوم الملک سے بھی (۲) آگے تھے۔ ان کے پوتے یعنی محمد سالی خان کی نسبت لکھا ہے۔

" خوگر شراب و شیفتہ راگ بود "

آخر مین صرف ایک مثال مانرالامراء سے پیش کرون گا ۔

---

۱ ۔ روضۃ القیومیہ رکن دوم ۔ ص ۱۴۲

۲ ۔ " یادایام " مولانا عبدالحی ۔ ص ۶۸

(۱)

" قضات بلده و قصبات باحکام (دولت نار ؟ یعنی (قصاص و داد قتیں) بزر می فروختند - قاضی حضور که بزهد و تدوین خود را وانموده در تمشیت امور جزوی و کلی لوای انا ولاغیری می افراشت امرای عمده از و حساب بوید اشتند و از حسد چون کباب می سوختند و باین همه می گویند که قاضی در اخذ و جزید طولی داشت - و زر های خطیر اندوخته بود "

اخلاقی پستی مذہبی کجروی اور سیاسی خاکشار کے اس دور میں ((عالمگیری عہد کے آخری ایام اس کے شاہزادوں کی بیاوتوں اور امراء کی غداریوں کی داستانوں سے بھرے ہوئے ہیں) اردو کی زبان بھولی ہے - وہ سیدھے سادھے پر خلوص فنکار جنھوں نے دنیا کو اس بوقلمونی کے عالم میں دیکھا اور جن کی پشت پر اخلاقی اقدار کی عظمت کا سایہ تھا یقیناً اس دنیا اور اسکی لعنتوں سے متنفر ہوئے ہوں گے - اور اس دنیا سے بھاگ کر تصوف کی پرسکون روحانیت جو فکری طور پر رہبانیت کا سبق پڑھا رہی تھی ان کے ذہنوں کے دمساز ہوئی ہوگی - یہی وجہ ہے کہ اردو کے ابتدائی شاعروں کا کلام یا تو یکسر مذہب و اخلاق کا آئینہ دار ہے یا اس پر صوفیانہ عشق و اخلاق کی گہری چھاپ ہے -

عشق کے سلسلہ میں یہہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے کے عشق کا مفہوم آج کے عشق کی تعبیر سے بہت کچھہ مختلف ہے - وہ بزرگ عشق کو اخلاق اعلیٰ اور سیرت حسنہ کی ابتدائی منزل تصور کرتے تھے - میرعبدالحی تاباں کے متعلق میرتقی میر کا یہہ بیان -

(۲)

" سید نجیب الطرفین .... خوش خلق پاکیزہ سیرت معشوق عاشق مزاج بود - "

---

۱ - رودکوثر از محمد اکرام - ص ۸۸۲

۲ - نکات الشعراء از میرمحمد تقی میر - ص ۱۰۸

اس دور کے اخلاقی تجزیہ کا محتاج ہے۔ اردو شاعری کے اولین بزرگ وجہی ۔ غواصی ۔ ابن نشاطی ۔ فائز اور عاجز وغیرہ صوفی بھی تھے اور شاعر بھی ۔ سلسلہ طریقت سے باقاعدہ طور پر منسلک بھی تھے اس لئے ان کی شاعری میں صوفیانہ مسائل ۔ افکار اور اخلاق کی بہتات کا وجود حیرتناک نہیں ہے مگر جب دکن کے تاجدار شعراء تصوف کے نغمے الاپتے نظر آتے ہیں تو یہہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس نسل کے فکری ماخذ اور اس تمدن کے علمی شعبوں پر تصوف کا زبردست اثر تھا۔

یوں تو ہر شاعر کے کلام (۱) میں صوفیانہ اشعار ملتے ہیں مگر خصوصیت سے محمد قلی قطب شاہ کا کلام تصوف کا آئینہ دار ہے ۔ اس نے خواجہ حافظ کے طرز پر غزلیں کہی ہیں ۔ تضمین کی ہے۔ خواجہ کی فارسی غزلوں کا دکنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے کلام کی تاثیر سے متاثر ہو کر اپنی غزلوں میں تصوف اور عرفان کے مضامین ادا کئے ہیں ۔ کچھہ اشعار ملاحظہ ہوں ۔

دکھہ ایک ہے ہر ٹھک کہن لاکھہ جتن ہے
لاکھہ جوت ہے ہر ٹھار ولے ٹھک رتن ہے

••

سمدر رہے ایک ہو رندیاں ہیں سو ہزاراں
پاتاں سو کئو وزاں ہیں ولے ٹھک رسن ہے
منج عشق کی گرمی اگ کا یک چنگی ہے سورج
اس آگ کے شعلے کا دھواں سات گگن ہے
کفر ریت کیا ہور اسلام ریت ۔
ہر اک ریت میں عشق کا راز ہے

(محمد قلی قطب شاہ)

ایسے ہی سدھا اشعار کا وجود اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اردو شاعری میں تصوف کا مستعاری فلسفہ فارسی زبان کے وسیلے سے صوفیاء کرام کی دین ہے۔ چونکہ سیاسی انتشار سے جو اردو شاعری کی زبان پھوٹ رہی تھی اپنا سر اٹھا چکا تھا سماجی اور معاشرتی سکون تہ و بالا ہو گیا اس لئے اس

---

۱ ۔ دکن میں اردو ۔ نصیرالدین ہاشمی ۔ ص ۱۲

رنجور فلسفہ حیات کی بار آوری کے لئے وہ درد آگین اور مایوس موسم بھی مل گیا جس میں پھل پھول کر یہہ نظام فکر بیسویں صدی کے اولین تہائی زمانے تک کسی نہ کسی صورت میں زندہ رہا ۔ باضابطہ طور پر اصغر گونڈوی کی آنکھوں کے ساتھہ اس کا چراغ بجھہ گیا ۔ ثبوت کے طور پر ایسے چند نام پیش ہیں جو صوفی بھی تھے اور شاعر بھی ۔

ا ۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز جو خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے (۱) ۔ تصوف اور حدیث کا درس دیا کرتے تھے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے فارسی اور عوام کے لئے دکھنی زبان استعمال فرماتے تھے ۔ شاعر بھی تھے ۔ ملاحظہ ہو ۔

پانی میں نمک ڈال مزا دیکھنا دے
جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کیے
یوں کہوی خودی اپنی خداسات محمد
جب گھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی سے

" ہمہ اوست " کے صوفیانہ مسلک اور مسئلے کو شعری قبا پہنائی ہے ۔

ب ۔ فیروز جو وجہی جیسے بڑے شاعر کا ممدوح ہے ۔ " توصیف نامہ " کا مصنف ہے جس میں اس نے حضرت عبدالقادر جیلانی کے حالات رقم کئے ہیں اور اس تصنیف میں اپنے شیخ طریقت مخدوم جی کی شان میں قصیدہ گوئی کی ہے ۔ فیروز کسی خانوادے سے سلسلہ نہیں رکھتا بلکہ ایک عام انسان کی طرح صوفیاء کرام کا عقیدت مند ہے اور زمانے کی عام روش کی طرح خود بھی ایک پیر کا مرید ہے رقمطراز ہے ۔

تہیں قطب اقطاب جگ پیر ہے
تہیں غوث اعظم جہا نگیر ہے
تہیں چاند باقی ولی تارے ہیں
تو سلطان سردار بسیارے ہیں

ا ۔ دیباچہ سراج العاشقین ۔

ج - سلطان جو میران شاہ کے مرید اور خلیفہ تھے - صوفیانہ مسائل کو اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں -

(۱)

اس پاک عشق باز کو جب تہ کا اثر ہوا
تب نور ذات جوش ہوا زگنج بر ہوا

حسن زیاہے ہر جاگہ ولے بینا نظر ہولنا -
دسے گا حسن ہر جاگہ ولے دیکھیں بصر ہونا

تو ن فنا ہو یا فنا ہے • یا بقا ہو تو ن بقا ہے
یا خدا ہو تو ن خدا ہے زان مقام آزار باش

د - نصرتی جسکی غیر مذہبیت (۲) کے ثبوت میں ہر رویں مصنفین کی ناقص تحقیق شاہد ہے اور جو کسی خانوادے کا پیرو نہیں معلوم ہوتا وہ بھی صوفیانہ مسائل سے اپنی شاعری کو نہ بچا سکا -

تجھہ حسن کی جھلک جوہری ز نکار پر
ہر جاملہ وہان کی جتی دفتر آفتاب
اپنک کرے زمین کو ن ترپ آدمی کے تج
جہان کی پتال چک چودھری تس پر آفتاب

ان مثالوں میں شاہ میرانجی شمس العشاق • برہان الدین جانم • شاہ من شاہ حسینی • بہاء الدین باجن • شاہ علی گام اور شیخ محمد عین الدین گنج علم کے نام سہواً نظرانداز کئے گئے ہیں کیونکہ یہہ سلسلہ تصوف کی وہ اہم کڑیاں ہیں جو طریقت کے بغیر لقمہ توڑنا بھی بدعت سمجھتے تھے -

---

۱ - دکن میں اردو - نصیرالدین ہاشمی - ص ۱۷۵

باب سوم (ابتدائی عہد کے شاعر)

غزل روایت ، موضوع ، مواد ، ہیئت اور لہجے ہر اعتبار سے فارسی غزل کی آوردہ اور پروردہ ہے۔ فارسی غزل خود کہاہے اسے حالی کے الفاظ میں سنئے ۔

(۱)

" جن لوگوں نے غزل کو چمکایا اور مقبول خاص و عام بنایا یہہ وہ لوگ تھے جو آج تک اہل اللہ اور صاحب باطن یا کم سے کم عشق الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں ۔ جیسے سعدی ، رومی ، خسرو ، حافظ ، عراقی ، مغربی ، احمد جام ، اور جامی وغیرہ ۔ ان کی غزل کا موضوع جیسا کہ ظاہرا الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے عشق مجازی نہ تھا بلکہ وہ حقیقت کو مجاز کے پردے میں ظاہر کرتے یا یوں کہو کہ چھپاتے تھے .... وہ عشق و محبت کے رنگ میں شور بور تھے ان کے کلام میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جسے روحانیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ان کی غزل سن کر دنیا کی بے ثباتی اور بے اعتباری کا سماں دل پر چھا جاتا ہے ۔ "

حالی نے متذکرہ بالا شعراء و صوفیا کو حقیقی شاعر تسلیم کیا ہے ۔ ان کے بعد آنے والی نسلوں نے ان شعراء کے بتے ہوئے مضامین سے طرح طرح سے اپنے بام و در سجائے ہیں ۔ جسکا حالی نے اپنے مقدمہ میں جابجا افسوس کے ساتھہ ذکر کیا ہے گویا حالی کا بیان کیا ہوا یہہ عہد فارسی کی غزلیہ شاعری کا عہد زرین ہے ۔ اور اس عہد زرین کے عظیم شاعر جو بقول حالی کے عشق کے رنگ میں شور بور تھے اور جن کے کلام میں روحانیت کا عنصر بھی تھا ۔ جب اپنی غزل سناتے تھے تو سامعین کے سامنے بے ثباتی عالم کا نقشہ پھر

---

۱ ۔ مقدمہ شعر و شاعری ۔ حالی ۔ ص ۱۱۸

پھر جاتا تھا۔ دوسرے الفاظ مین کہہ سکتے ہین کہ فارسی شاعری کے عہد زرین کے اہم غزل گو شعراء بے ثباتی حیات کے مفسر تھے زندگی کی بے ثباتی اور زندگی کی طرف سے بے اعتنائی اس قنوطیت کی ذمہ دار ہے جو اسوقت زیر بحث ہے۔ قنوطیت کا اطلاق شعر کے معنی کے علاوہ لہجے اور انداز بیان پر بھی ہوتا ہے لیکن اگر فی الحال لہجے اور انداز بیان کو بحث سے خارج کر دین تو بھی اردو شاعری کی قنوطیت اپنی جگہہ پر مسلم رہتی ہے۔ شعر کے معنی سے مراد وہ مضامین ہین جنھون نے شاعری کے ملکۂ شعری کو اکسایا ہے اور جنھین شاعر نے الفاظ کا پیکر دے کر شعری زندگی دی ہے ان مضامین کے متعلق حالی کا ارشاد ہے۔

"اس مین بالکل مبالغہ نہین معلوم ہوتا کہ اگر تمام فارسی اور اردو کی غزلیات کا خلاصہ کیا جائے اور مکررات کو چھوڑ کر محض اصلی مضامین چھانٹے جائین تو سو سوا سو صفحے سے زیادہ کی مضامین کی مقدار نہ نکلے گی۔" (۱)

ادب کے طالب علم جانتے ہین کہ فارسی کی سیکڑون سال کی ادبی زندگی کے سامنے اردو شاعری کی جسکی عمر ادبی فضیلت کے لحاظ سے خود حالی نے اس پچاس سال تجویز کی تھی کیا بساط ہو سکتی ہے اس سو سوا سو صفحات کے سوائے مین اسکا حصہ (۲۰ ـ ۳۰) بیس تیس صفحات سے زیادہ تصور نہین کیا جاسکتا۔ اس قلیل پونجی مین حالی جیسے مصلح شعر کے نزدیک عشق کا کیا حصہ ہے ملاحظہ ہو

"غزل کے لئے یہہ ایک ضروری سی بات قرار پائی ہے کہ اسکی بنا عشقیہ مضامین پر رکھی جائے اور حق یہہ ہے کہ اگر غزل مین عشق و محبت کی چاشنی نہ دی جائے تو اسکا سرسبز اور مقبول ہونا ایسا ہی مشکل ہے جیسا شراب مین سرکہ بن جانے کے بعد سرور کا قائم رہنا۔ (۲)"

۱۔ مقدمہ شعر و شاعری ـ حالی ـ ص ۱۳۴

۲۔ مقدمہ شعر و شاعری ـ حالی ـ ص ۱۱۹

عشق کی اہمیت کے متعلق یہہ اس بڑے شاعر کا قول ہے جو اردو شاعری میں اپنی زندگی تک یکہ و تنہا انقلابی مصلح اور نقاد تھا۔ اس طرح عشق اردو شاعری کا دل و دماغ ہے۔ یعنی معنی کے لحاظ سے پوری اردو کلاسیکی شاعری عشق پر مشتمل ہے۔ دوسرے تمام مضامین جو نسبتاً نہایت قلیل تعداد میں سودا کی طرح دوسرے دو ایک شعراء کے یہاں ملتے ہیں مستثنیات سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

غزل کا آب و رنگ ہمارے جہاں شاعری پر اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ قصائد کی تشبیب اور مرثیوں کے میں گھوڑے اور تلوار کے بیانات تک اسکے جادو کا شکار ہو کر رہ گئے۔

معنی کی یکسانیت کے سلسلے میں یہہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اردو شاعری میں تصوف اور اخلاق کے بھی مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ لیکن صوفی اور غیر صوفی شعراء دونوں نہ صرف عشق پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ ان کی زبان اور بیان یکساں ہے۔ یہہ صحیح ہے کہ صوفی شعراء نے عشقیہ علامات کو اکثر مجاز و استعارہ کے طور پر استعمال کیا ہے لیکن چونکہ غیر صوفی شعراء نے بھی انہیں علامات کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے جنہیں صوفیا نے بطور مجاز رواج دیا تھا۔ اس لئے دونوں کے بیانات کا اثر سامع پر یکساں پڑتا ہے۔ اس لئے ان میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر بفرض محال تفریق مان بھی لی جائے تو ہمارے موضوع کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ وحدۃ الوجود " فنا " جبر اور ترک دنیا جیسے صوفیانہ اور اخلاقی مضامین جس انداز سے اردو شاعری میں برتے گئے ہیں قطعی ہیں ۔ اور پھر یہہ مضامین صرف صوفیا، شعراء کرام کی ہی جولانگاہ نہیں ہیں بلکہ تقریباً ہر شاعر نے ان پر طبع آزمائی کی ہے بالفاظ دیگر عشق کے دریائے بیتابی میں یہہ "اک موج خون" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہاں اس سے بحث نہیں کہ اردو شاعری کا عشق بحیثیت مجموعی افلاطونی ہے نفسانی ہے یا صوفیانہ اتنا البتہ مسلم ہے کہ اس کا انجام نامرادی اور سامع پر اسکا اثر دل گرفتگی کا ہوتا ہے) عشق کے آئینے میں عاشق و معشوق دونوں کی شخصیتیں بے نقاب دیکھی جاسکتی ہیں۔ عاشق ہمیشہ دشت محرومی میں گریباں چاک اور آبلہ پا ہے۔ دوسری طرف تمام محبوب تغافل کش اور ستم شعار

ملین گے ۔ بقول حالی

"

غزل مین معشوق کو بے وفا ۔۔ بے رحم ۔ ظالم ۔ قاتل ۔ صیاد ۔ جلاد ۔ ہرجائی ۔ اپنے سے نفرت کرنے والا ۔ اورون سے ملنے والا ۔ سچی محبت پر یقین نہ لانے والا ۔ اہل ہوس کو عاشق صادق جاننے والا ۔۔۔۔۔۔۔ ایک مہر انگیز کے سوا تمام ایسی برائیون سے اسکو موصوف کرنا جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھہ کرسکتا ہے ۔ اور اپنے تئین غمزدہ ۔ مصیبت زدہ ۔ فلک زدہ ۔ ضعیف بیمار ۔ بد بخت ۔۔۔۔۔ خوشی و عافیت سے کنارہ کرنے والا آسمان کا شاکی ۔ زمین سے نالان ۔ زمانے کے ہاتھہ سے تنگ ایک عشق اور وفاداری کے سوا اپنے تئین ان تمام صفات سے متصف کرنا جو عموماً انسان کے لئے قابل افسوس خیال کی جاتی ہین ۔ ۔۔۔۔ یا مثلاً آسمان اور زمانہ اور نصیب و ستارہ کی شکایت کرنا ۔۔۔ کبھی کبھی مال و جاہ و منصب دنیوی کو حقیر ٹھہرانا اور فقر و عشق و آزادگی وغیرہ کو علم و عقل و سلطنت وغیرہ پر ترجیح دینا "(۱)

شعر و شاعری کا یہہ عشق اگر حالی کی بیان کردہ مندرجہ بالا صفات مین سے صرف دو یعنی " آسمان سے نالان " اور " زمین سے شاکی " پر ایمان رکھتا ہے تو قنوطی ہے ۔ کیونکہ زندگی مین غم کے تسلط کا اعتراف و احساس قنوطیت کا مترادف ہے ۔

اردو کی بالکل ابتدائی شاعری مین قنوطیت کے لئے مدھم ہے ۔ ولی اورنگ آبادی کا کلام اس واضح قنوطیت سے خالی ہے جو دہلی کے اولین شعرا ۔ کے یہان ملتی ہے ۔ گو انکے کلام مین صوفیانہ مسائل کی قنوطی تشریحین اور ناکام عشق کی حزنیہ تصویرین اچھی خاصی تعداد مین ملتی ہین لیکن اس غم پرستی اور مایوسی مین وہ شدت نہین ہے جسے دہلی اسکول نے رواج دیا ۔ اسکے مادی اور تاریخی اسباب ہین ولی کو عالمگیری عہد ملاحیت مسلمہ اقبال اپنی منتہا کو پہونچ چکا تھا ۔ ولی نے جب کبھی خارجی عالم کی طرف آنکھین اٹھائی ہونگی

۱۔ مقدمہ شعروشاعری ۔ حالی ۔ ص ۷۶

مغل شہنشاہ کی شوکت و سطوت سامنے آگئی ہو گی ۔ ہر چند آخری عہد عالمگیری میں ہر ہشہ گردی سر اٹھا چکی تھی مگر شجاعی کا انتہائی عروج ستارہ ۔ ہونا ۔ کا وہ چھوٹا سا راج تھا جو مغل قلمرو کے وسیع نقشے میں ایک نقطے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا دکن کی اسلامی ریاستیں جنھیں عالمگیر نے نیست و نابود کردیا اپنے دردناک انجام سے ولی کو متاثر کر سکتی تھیں مگر ایسا بالکل نہ ہوا۔ عالمگیر کے بعد ولی کافی دن زندہ رہے ۔ پھر بھی ان کے لہجے میں واضح قنوطیت نہ پیدا ہو سکی کیونکہ ان کی عمر کا تقریبا تمام حصہ دکن میں گذرا جو دہلی کی طرح مسلسل مسلسل آفتوں اور سیاسی قیامتوں کا نشانہ نہ بن سکا ۔

سلطنت دہلی اپنی ساری ہلاکت و فلاکت کے باوجود سیاسی حیثیت سے اتنی مقتدر تھی کہ انیسویں صدی کے اوائل تک کبھی بہادر تاجدار دہلی کے نام پر ہندوستان کے بڑے حصہ ملک پر حقیقی حکمرانی کرتی رہی ۔ ان حالات میں ولی اور ان کی نسل کو تاریخی اسباب کی بنا پر مکمل قنوطیت سے دوچار ہونے کا حادثہ پیش نہ آیا ۔

سیاسی تباہی کے ابتدائی ایام میں ولی بوڑھے ہو چکے تھے ۔ ان کا مزاج بن چکا تھا اور شعور پختہ ہو چکا تھا۔ اسلئے ان کی افتاد طبیعت کی تکمیل اور پختگی بنیادی طور پر کسی انقلاب کو آسانی سے قبول بھی نہیں کر سکتی تھی ۔ مثلاً ولی کا یہ شعر ۔

کار فرنگ کو دیا ہے
تجھ زلف نے دس کافری کا

اسکے مقابلہ میں درد اور سراج جیسے بلند پایہ صوفی شعراء کا رنگ ملاحظہ ہو ۔

آتی ہے بزم عیش سنی مجھکو بوئے خون
موج شراب جوہر تیغ فرنگ ہے
کب ہے دماغ عشق بتان فرنگ کا
مجھکو تو اپنی ہستی ہی قید فرنگ ہے

تیسرے شعر میں لفظ "فرنگ" نے مضمون کو سہارا دیا ہے ۔ لیکن ولی کے مقابلے میں فرد اور سراج نے اس لفظ سے جس ظلم اور

تشدد کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سراج اور درد کے عہد کی سیاسی دوماندگی کا رد عمل ہے ۔

ولی کی ذاتی زندگی میں کوئی ایسا حادثہ نہیں ملتا جو ان کی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیتا ۔ قنوطیت کی تخلیق میں ذاتی کرب و الم اور گرد و پیش کے ~~حالات~~ نا مساعد حالات کو بڑا دخل رہا ہے ۔ اور یہ دونوں اسباب ولی کے ہاں مفقود ہیں ۔ تاہم ان کے کلام میں قنوطیت کی زیریں لہر اور دھیمی لے ملتی ہے ۔ اسکا سبب فارسی شاعری کے پیش پا افتادہ مضامین کو برتنے میں مضمر ہے ۔ سعداللہ گلشن کے ارشاد کے بموجب انھوں نے ہی سب سے پہلے فارسی مضامین کو ریختے کا قالب عطا کیا ۔ اسطرح قنوطی مسائل پر خامہ فرسائی کی بدولت ان کا کلام روایتی قنوطیت کی مثال بن گیا ۔

تصوف کے اہم مسئلے (وحدۃ الوجود) کے شعری خاکے ملاحظہ ہو

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اسکا
بغیر از دیدۂ حیران نہیں جگ میں نقاب اسکا
ہر ذرہ عالم میں ہے خورشید حقیقی
یہہ بوجہہ کے بلبل ہوں ہر آن غنچہ دہان کا

توکل اور قناعت بھی صوفیاؑ کے پسندیدہ موضوعات ہیں ۔ ولی جو شاہ نورالدین کے مرید (۱) اور رسالہ "نورالمعرفت" کے مصنف ہیں اس مضمون کو نظر انداز نہ کر سکے ۔

پایا ہوں ولی سلطنت ملک قناعت
اب تخت و چتر میرے لئے ارض و سما ہے

**

طمع مال کی سر بسر عیب ہے
خیالات گنج جہان سر سے ٹال

بے ثباتیٔ عالم کا شعور کرکے ایک سچے صوفی کی طرح ولی نے بھی فقر کے مقدس ہاتھہ پر بیعت کی ہے ۔

---

۱ ۔ کلیات ولی مرتبہ احسن مارہروی ۔ ص ۲۰

پایا ہے جو کوئی دولت فقر
مشتاق نہین ہے سکندری کا
پھیکی لگے ہے اسکو شان دولت
چاکا جو مزہ قلندری کا

سلوک و معرفت کے کوچے کو سون کو جھیلنے کے لئے یہہ ضروری ہے کہ مجازی محبت کی تنہائیون مین اختر شماری کرکے تجربہ و حوصلہ پیدا کیا جائے ۔

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کا کیا مجازی کا

**

مجھے ہو لیا کہ تو واقف نہین عشق حقیقی سون
تو بہتر ہون ہے جا دامن پکڑ عشق مجازی کا

عشق کی ساری رسوائی کو فراموش کرکے ولی نے کھلے کھلا محبوب کے ہجر مین نالے سر کئے ہین ۔

ترا قد دیکھہ اے سید معالی
ہوئی روشن دلان کی فکر عالی

**

ہرگز نہ دیوے رسم وفا ہاتھہ سے ولی
اکار اس غزل کو سنے گر گو بند لال

**

اے ولی کیا کون بیان اس کا
لطف مین دلربا ہے امرت لال

**

مقصود دل ہے اسکا خیال اے ز ولی مجھے
جیون مجھہ زبان کا ورد محمد مراد ہے

**

کون نہ ہوے عشق سے آباد سب ہندوستان
حسن کی دہلی کا صوبہ ہے محمد یار خان

ان زمینی "عشقون" کی کثرت کے باوجود ان کے نقادون کا خیال ہے کہ وہ عشق حقیقی کے بھی لذت چشیدہ تھے ۔ بہر حال ان کے

کلام میں محبت کی دلگیری اور دل کی گرفتاری ملتی ہے۔ جس نے ولی کو زندگی سے عاجز کردیا ہے۔

جسے عشق کا تیر کاری لگے
اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

**

پروانہ وار عشق میں تیرے جو جی دیا
اس کا کفن ہو رشتۂ شمع نگاہ سے

حالی کے بیان کردہ روایتی عاشق کی ساری بیچارگی ولی کے عاشق میں پائی جاتی ہے۔

گر نہیں ہے جو خنجر بیداد خوباں کا شہید
دامن صد چاک گل کس واسطے ہر خون ہوا

**

عجب نہیں جو سخن کہہ رہا ہو مجھ سے کھینچے
کہ مجھ کو کاہ تن عشق نے کیا ہے نحیف

ولی نے اپنے اشعار میں جس محبوب کی تصویر دی ہے وہ بھی غزل کے روایتی حسن و جمال اور ظلم و ستم کا حامل ہے۔

عدم ہے تجھ دہن کا جگ میں ثانی اے پری پیکر
اگر بالفرض والتقدیر ثانی ہے تو عنقا ہے

** **

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو
کرتی ہے نگہہ جس قد نازک پہ گرانی

**

نہ جانوں خط ترا کس پے خطا پر
چلا ہے آج فوج شام لے کر

**

بسکہ بد روان ہوے ہیں مجتمع چاروں طرف
بستۂ زلف پریرویاں پہ مارا مار ہے

ان اشعار سے ولی کے اس عشق پر روشنی پڑتی ہے جو زیادہ تر اپنی روایت اور کمتر اپنی حقیقت کی بنا پر کلام ولی کو روایتی قنوطیت سے دوچار کرتی ہے۔

****

**
*

** شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی **

" شاہ سراج الدین اورنگ آبادی سید صحیح النسب است ۔ اجدادش از مشایخین بوده اند ۔ تا عمر دوازده سالگی بزرگان او را بقید نوشتن و خواندن داشتند ۔ چون سیزده ساله شد ۔ وحشتے در مزاجش راه یافت تا هفت سال بر روضه بخنوره حضرت شاه برهان الادین غریب قدس سره دیوانه وش ماند ۔ شبها بحالت بے اختیاری بکوه و صحرای گشت بدرش سید درویش زنجیر در پائش کرد بعد چندے باقافت آمد خیال صحبت فقراء در سرش افتاد از اثر صحبت صاحب کمالے ترک لباس نموده بلذت درویشی آشنا گردید ۔ (۱) "

قاشقال ـــــ جو سراج کے همعصر اور همو طن تھے ان کے اس بیان کے مطابق اردو شاعری مین عملی طور پر اتنی بڑی درویش مزاج شخصیت شاہ سراج کے علاو شاید کوئ نہین گذری ۔ شاہ سراج ۱۱۲۸ھ مین پیدا هوے (۲) ۔ تیرہ سال کی عمر مین جذب و مستی کا عالم شروع هوا ۔ اور اس کم عمری مین بے اختیار فارسی اشعار کا موزون هو کر زبان سے نکلنا ایک طرف ان کے فطری شاعر هونے پر دلالت کرتا هے اور دوسری طرف فارسی شاعری سے ازلی مناسبت کی طرف اشارہ کرتا هے ۔ سات برس تک مجنو نون کی طرح زندگی گذاری ۔ زنجیرین پہنین اور کوہ و بیابان مین سرگردان رهے ۔ اور انتقال سے تقریباً سترہ سال پہلے مرشد کے حکم پر شعر گوئ ترک کردی (۳) اور ۱۱۶۹ھ مین انتقال کیا ۔ اسطرح سے زیادہ سے زیادہ چودہ برس انھون نے فکر شعر مین بسر کئے ۔ ایک ضخیم کلیات اسی قلیل مدت کی یادگار هے ۔

---

۱ ۔ تحفته الشعراء ۔ افضل بیگ خان قاشقال ۔ ص ۱۲۲

۲ ۔ کلیات سراج ۔ عبدالقادر سروری ۔ ص ۲۶

۳ ۔ " " " " ۔ ص ۴۱

سراج کا کلام عہد متقدمین کے اہم دہلوی شعراء کے برخلاف انتہائی سکر و سرور، جذب و مستی اور سوز و گداز کا حامل ہے۔ حاتم۔ مظہر۔ درد۔ سودا اور میر کی طرح ان کے کلام میں گردش روزگار کی پیدا کردہ قنوطی لے نمایاں نہیں ہے۔ اس کے اسباب قابل غور ہیں۔

وہ سیاسی بے چینی جو عالمگیر کی رحلت کے بعد دارالسلطنت دہلی کی تقدیر میں آئی براہ راست اورنگ آباد دکن کو متاثر نہ کر سکی ۱۷۰۸ء کی جانشینی کی جنگ نے پانی پت کی آخری لڑائی ۱۷۶۱ء تک وہ تمام مسیبتیں جو سید بھائیوں، سکھوں، جاٹوں مرہٹوں، ابدالیوں اور درانیوں کے ہاتھوں دہلی پر نازل ہوئیں وہ ہندوستان گیر ہوتے ہوئے بھی دکن ہندوستان گیر نہیں تھیں۔ دکن ۱۷۳۶ء میں نظام الملک کے قبضہ اقتدار میں آ چکا تھا۔ (۱) گو اسکی سرحدیں فرانسیسیوں، انگریزوں اور مرہٹوں کے ہاتھوں اکثر و بیشتر تاراج ہوتی رہیں۔ پھر بھی دہلی کی طرح اورنگ آباد کسی قتل عام اور مسلسل طوائف الملوکی کا شکار نہیں ہوا۔ سیاسی انقلابات کے اس فقدان نے اورنگ آباد کے فنکاروں پر وہ قنوطی رنگ نہ چڑھنے دیا جسمیں دہلوی شعرا اسیر تھے۔

۲۰ اور ۲۵ سال کی عمر میں انسانی شعور بیدار ہوتا ہے اس عمر میں انسان زندگی کی مختلف قدروں سے دوچار ہوتا ہے اور انہیں بنیادوں پر اسکی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ شاہ سراج ایک درویش منش صوفی سید زادے کے بیٹے تھے۔ بارہ برس کی عمر میں تمام علوم متداولہ پر قادر اور سلوک و طریقت کی راہوں سے آشنا ہو چکے تھے۔ اکتسابی جذب و مستی کے کیف نے حقیقی دیوانگی کے سوز کا عرفان بخشا۔ سات برس کی دشت نوردی کے بعد جب ہوش میں آئے تو حضرت عبدالرحمن چشتی کے دامن عاطفت میں تھے۔ غرض ابتدائی عمر سے اوائل جوانی تک ساری عمر صوفیانہ مسلک میں گذری۔ تصوف ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا لیکن اس تصوف نے شاہ سراج سے جو غزلیں کہلائیں وہ

۱۔ دکن میں اردو۔ ڈاکٹر سمیر الدین ہاشمی۔ ص ۳۰۱

وہ " وحدۃ الوجود " کے پیدا کردہ مسائل جبر ، فنا ، ترک دنیا وغیرہ سے متعلق نہ رکھتی تھیں ۔ اس لئے کہ یہہ مسائل خارجی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور خارجی عالم بجز عشق کے شاہ سراج کی زندگی میں کچھہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ۔ وہ اپنی داخلی زندگی کی عاشقانہ کیفیات کی صورت گری کرتے رہے ۔ ساری عمر عمر عشق کے درد سے ان کا سینہ آباد رہا یہہ اسی عشق کی سرمستی تھی جس نے شاہ کو دنیوی علائق سے باز رکھا (۱) ۔ بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے دکھہ درد کے بجائے انھوں نے جوانی معشوقوں کے ناز و انداز میں کاٹ دی اور بڑھاپا (اگر وہ بوڑھے ہوئے) مریدوں کی عقیدتمندی کے سہارے گذار دیا ۔

" وحدۃ الوجود " کی طرح عشق بھی تصوف کی بنیادی قدر ہے ۔ وحدۃالوجود عموماً انسانی فکر سے تعلق رکھتا ہے اور فکر خارجی عالم سے متاثر ہوتی ہے ۔ عشق دل کی واردات کا غماز ہے ۔ اور صرف اپنی شخصیت کے راگ گاتا ہے ۔ اسمیں شبہ نہیں کہ عشق عالمگیر انسانیت کے دکھہ درد کا بھی ترجمان ہوتا ہے ۔ خصوصاً صوفیاء نے اس آئینے میں کائنات کو برافگندہ نقاب دیکھا ہے ۔ لیکن شاہ سراج کا عشق اس عشق سے مختلف ہے ۔ صوفی مسلک کی عام روش کی طرح انھوں نے بھی اس مصرع کی داد دی ۔

** مجازی سے عشق حقیقی ملا

" بوستان خیال " کی حقیقی داستان اور عبدالرسول خان کی کہانی شاہ سراج کی مجازی عشقیہ زندگی کے (۲) اوراق ہیں ۔ ان کے اسی عشق کے سوز و ساز نے انھیں صوفیاء کی اس عالمگیر محبت کے کوچے سے باز رکھا جہاں حیات و کائنات کے سربستہ راز کی پردہ کشائی کی منازل آتی ہیں ۔ ورنہ کوئی

---

۱ ۔ کلیات سراج از عبدالقادر سروری ۔ ص ۵۵

۲ ۔ تحفتہ الشعراء مصنفہ افضل بیگ خان قاشقال بحوالہ کلیات سراج ص ۲۷

وجہ نہین کہ شاہ سراج کا کلمات اس دور کی سماجی بدحالی
سماجی انتشار اور اقتصادی ابتری کے ذکر سے خالی ہوتا ۔
بیشتر اشعار مین وہ تنہائی مین بیٹھے ہوئے مہجور عاشق کی طرح
اپنے دل سے باتین کرتے نظر آتے ہین ۔ عشق کی اس داستان
سرائی مین شاہ سراج کے منہہ سے وہ باتین بھی نکل گئی
ہین جن پر اس دور مین پروریش پاتی ہوئی قنوطیت کی
پرچھائین ملتی ہے ۔ مگر ایسی باتین بہت کم ہین ۔ ان کی
کچھہ غزلون کے مطالعے ملاحظہ ہون ۔

فجر اٹھہ یار کا دیدار کرنا ن
شب ہجران کا دکھہ اظہار کرنا ن

**

کھول کر ناز ستی زلف کے تارون کو ن
سحر جادو سین پریشان نہ کرو مارون کون

**

مجھے مصری ستی بیزاریان ہین ۔
وو شیرین لب کی باتین پیاریان ہین ۔

**

تجھہ کو ن کچھہ میری خبر ہے یا نہین
روز محشر سے حذر ہے یا نہین

**

صبا میرے جوان لشکری کون جا خبر کرنا
دل بیدرد مین اس یار کے جاکر اثر کرنا

**

ترا رخ دیکھکر جل جاتے جل مین
کہان یہہ رنگ یہہ خوبی کنول مین

**

دل ترے سوز غم مین جلتے ہین
شمع مانند جان گلتے ہین

کیا قیامت ہے مرے دل کو لبھانا جانا ن
پھر تغافل کی اگن بیچ جلانا ن جانا ن

**

صنم کی کاکل مشکین کی بو ختن مین نہین ۔
و و چشم مست کی شوخی کی دھج ہرن مین نہین

**

مندرجہ بالا اشعار کلیات سراج کی ردیف "ن" کے مطلعے ہین ۔ صرف ایک ردیف کے اشعار سے بھی سراج کی افتاد طبیعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے اس مجازی عشقیہ شاعری کو جو شروع سے آخر تک ایک ناکام سپردگی اور بے بسی ریدگی کی آئینہ دار ہے صوفیانہ حقیقی شاعری سے تعبیر کیجائے ۔ باین ہمہ مسئلہ اپنی جگہہ پر رہتا ہے۔ کیونکہ صوفیانہ عشق کا بھی اثر وحدۃ الوجود کی طرح عوام پر وہ نہین ہوا جسکی تبلیغ بڑے بڑے صوفیاء نے کی تھی بلکہ اس عشق نے بھی عوام کی قنوطیت کو ہوا دی ہے(۱)

"بعض مسائل تصوف کے مثلاً قناعت توکل عشق
وغیرہ اس انداز سے اردو شاعری مین آئے جن کی
ترجمانی سے عملی زندگی مجروح ہو گئی "(۱)

یعنی یہہ مسائل اپنی جگہہ پر کتنے ہی عملی اور انقلابی کیون نہ رہے ہون لیکن جس طرح یہہ اردو شاعری مین برتے گئے اولا ان کا جو اثر عوام پر ہوا وہ قنوطی تھا۔ یہہ اشعار غور کے لایق ہین ۔

ترک مطلب ہے مطلب مجنون
شجر بید کون ثمر کا ن ہے

**

نہ کر اے بوالہوس تو ن عشق کی لاف
نشان عشقبازی چشم تر ہے

**

سراج آنکھین کا ہے غیر سے بند ۔
کہ تا دل مین خیال یار باند ہے

---

(۱) مذہب اور شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین ۔ ص ۱۳۱

بازار جہان سے کیا نقد خرد لے
دل جنس محبت کا خریدار ہوا ہے

**

نہین تشنہ لبی اسکو سراج آب خضر کی
جو عشق مستی زندۂ جاوید ہوا ہے

کلیات سراج کا ہر ورق ایسے مطالب سے رنگین ہے۔
عشق مین اس سرمستی کے باوجود ان کے قلم سے کچھہ ایسے اشعار بھی نکل گئے ہین جو اردو شاعری کے ابتدائی ایام کی سیاسی بےچینی کا اظہار کرتے ہین ۔

حق مین مرے ستم ہے تری چشم اشکبار
دل چیرنے کو ن زور فرنگ آبدار ہے
آتی ہے بزم عیش مستی مجھکو بوئے خون
موج شراب جو ہر تیغ فرنگ ہے

یہان سراج نے " زور فرنگ " اور " تیغ فرنگ " سے جس مفہوم کے اظہار مین مدد لی ہے وہ آسانی سے سمجھہ مین آتا ہے۔ ایسے اشعار کی کلیات مین کمی ضرور ہے مگر فقدان نہین ہے۔ اس کمنامی کو اسطرح واضح تصویر مین دیکھا جا سکتا ہے۔

** آتی ہے نو بہار دوانون کی بن گئی
بن بن صدائے خندۂ گل ہر چمن گئی

** تجھہ برہ کی صوبےداری کے عمل مین ہر طرف
ظلم ہے افسوس ہے فریاد ہے بیداد ہے

****

شاہ حاتم

* * *

شاہ حاتم ـــ نے ترک ابہام اور صفائ زبان کے سلسلے مین گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ اردو شاعری کی اصلاح و ترقی مین ان کا درجہ بڑا اہم ہے۔

" شاہ حاتم از تازہ خیالان قدیم است (۱) "

انھون نے ولی سے لیکر میر تک کے ادبی عروج کا زمانہ دیکھا ہے اردو شاعری ان کی آنکھون کے سامنے ترک و قبول ، صیقل و صفائ کے مراحل سے گذری ہے اور انھون نے ان منازل مین اردو شاعری کی رہنمائ کی ۔ شاہ حاتم نے رند مشربی مین بھی ایک عمر گذاری ہے۔

" چونکہ محمد شاہی دور تھا اسلئے آئین زمانہ
کے مطابق جو اسوقت کے شوق تھے سب پورے کئے (۲) "

آزاد کے اس اشارے کی تائید گارسان دی تاسی نے کردی ہے۔

" یہہ جن دنون کہ سرکار عمدۃالملک امیرخان کے ملازم
تھے ارتکاب منہیات کا بدرجہ اعلی کرتے تھے۔ (۳) "

لیکن آخرکار گناھون سے توبہ کی اور فقر کی مسند بچھا کر عاقبت کی فکر کرنے لگے۔ ان کا کلیات مختصر ہو کر " دیوان زادہ " کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کے کلام سے اس رندانہ زندگی کا کوئ اندازہ نہین ہوتا جسکا ذکر گارساں دی تاسی اور آزاد نے کیا ہے۔ البتہ وہ میر حسن کے اس بیان سے قریب ہین ۔

" شاعریست صاحب کمال پسندیدہ افعال عالی فطرت و
بلند ہمت ۰۰۰ اکثر غزلہائے او را نغمہ سرایان ہند
می خوانند (۴) "

۱۔ گلشن بیخار ۔ شیفتہ ۔ ص ۵۴
۲۔ آب حیات ۔ آزاد ۔ ص ۲۷

(بقیہ حاشیہ صفحہ دوم پر ملاحظہ ہو

شاہ حاتم کی شاعری پر بحث کرنے سے قبل ان اخلاقی پستیون کو ذہن مین رکھنا ضروری ہے جنکا ذکر تصوف کے سلسلے مین آچکا ہے۔ اس کے علاوہ یہہ امر بھی مدنظر رہے کہ ولی اورنگ آبادی کے اثر سے دہلی مین جس شاعری کا ظہور ہوا وہ اپنے دور کے سیاسی خافشار اور تاریخی انحطاط سے فطری طور پر متاثر ہوئی ہے۔ یعنی اردو شاعری کا وہ دور جس مین اس نے باقاعدہ ادبی حیثیت اختیار کی تاریخی اعتبار سے عبوری دور تھا اسکے علاوہ ولی نے شاہ سعداللہ گلشن کی ہدایت پر فارسی کے رائج الوقت مضامین کو ریختہ مین ادا کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔ میر کا یہہ بیان۔

"فن ریختہ کہ شعریست بطور شعرفارسی بزبان اردوئے معلی (۱)"

اس قول کی تصدیق کرتا ہے۔ اس طرح ولی اورنگ آبادی کی قدآور شخصیت اور انکی عام مقبولیت کے اثر سے دہلی مین جس دبستان کی ابتدا ہوئی اسکا فکری محور فارسی شاعری تھا۔ فارسی شاعری کم فارسی غزل زیادہ۔ وہ فارسی شاعری جس نے اردو شاعری کی ساخت پرداخت مین حصہ لیا حافظ، سعدی، ابن یمین عطار، روم، عراقی، عرفی اور بیدل وغیرہ کی پروردہ تھی۔ جیسا کہ ڈاکٹر اعجاز حسین کا بیان ہے۔

"اردو فارسی کی آنکھہ سے دیکھنے لگی۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ ہر صنف شاعری فارسی مذاق مین رنگ گیا اور فارسی کے اس ادب سے اردو زیادہ متاثر ہوئی جو حافظ، سعدی عطار اور روم وغیرہ کی ذہنیت اور دماغ کا خاصہ تھا (۲)"

ان حضرات کی فکر کا اندازہ کرنے سے پہلے یہہ واضح رہے کہ بالعموم ہر شاعر اپنے دور کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور وہ دور مولانا شبلی کے الفاظ مین یہہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ سابق صفحہ)

۳۔ مترجم تذکرہ دیناس بحوالہ اردو معلے اکتوبر ۱۹۰۹ء مرتبہ حضرت موہانی

۴۔ تذکرہ شعرائے اردو مصنفہ میر حسن۔ ص ۲۰

۱۔ نکات الشعراء۔ از میر تقی میر۔ ص ۲

۲۔ مذہب اور شاعری از ڈاکٹر اعجاز حسین۔ ص ۱۲۹

" شاعری بلکہ تمام علوم اسلامی کا جوش شباب تھا کہ تاتار کی طرف سے اس زور کا طوفان اٹھا کہ دنیا کا شیرازہ بکھر گیا۔ ۶۱۷ ھ میں چنگیز خان نے تاتار سے نکلکر خراسان سے شام تک بے چراغ کردیا۔ کم و بیش چالیس لاکھ آدمیوں کا خون بہ گیا۔ سیکڑوں ہزاروں شہر خاک کے برابر ہو گئے۔ مدارس اور خانقاہوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ علمی خزانوں کا ایک ایک ورق الٹ گیا۔ لیکن اسلام ایسا سخت جان تھا کہ ان ہنگاموں پر زندہ بچ گیا۔ جوں جوں طوفان تھما ادبی چنگاریاں پھر چمکیں ..... جنگی جذبات کے فنا ہونے نے طبیعتوں میں انفعالی اثر زیادہ پیدا کیا۔ جو " تصوف کے سوا " اور رنگ یعنی غزلگوئی میں ظاہر ہوا۔ تاتار اور تیمور کی عام سفاکی نے قوموں کی قومیں غارت کردیں۔ بڑے بڑے اورنگ نشینوں اور کج کلاہوں کے تخت و تاج خاک میں ملادئے۔ خراسان سے شام تک سناٹا ہو گیا۔ ام الدنیا بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ تمام بڑے بڑے پائے تختوں میں خاک اڑنے لگی۔ ان امور نے دنیا کی بے ثباتی اور انقلاب کا ایسا نقشہ کھینچ دیا جو مدت تک آنکھوں میں پھرتا رہا۔ اس بنا پر دنیا کی بے ثباتی کے مضامین زیادہ تر اشعار میں آنے لگے۔ (۱) "

یعنی اپنی تاریخی اسباب کی بنا پر فارسی شاعری قنوطی لے کا شکار ہو گئی اور اسی قنوطیت کا ظہور اردو شاعری میں ہوا۔ اس مسئلے پر ڈاکٹر اعجاز حسین کا ارشاد ہے۔

" ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ فارسی ادب میں قنوطیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ وقتی فتوحات سے جذبات کبھی کبھی ابھر آتے ہونگے اور کلام میں رجائیت بھی آجاتی ہو گی۔ لیکن چونکہ حافظ اور سعدی وغیرہ نے قنوطیت اور بے ثباتی کی تلقین اس حسن سے کی تھی کہ اسمیں تقدس اور تزکیہ نفس کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ شعریت اور ادبیت

۱۔ شعرالعجم ۔ علامہ شبلی حصہ دوم ۔ ص ۱ و ۲

کے امتزاج سے دلکشی اور همه گیری زیاده پیدا هو گئی
تھی ۔ اس لئے انھین حضرات کی مثال و نمونے کے لئے سامنے
رکھی گئی جس سے تمام فضا مین بے حسی ، بے بسی اور
بے چارگی اور دنیا سے بیزاری پیدا هو گئی ۔ (۱) "

چنانچه یهه بات واضح هو جاتی هے که وه رجحان شعری جو فارسی
کے وسیلے سے اردو شاعری کے ورثے مین آیا قنوطی تھا ۔ بدقسمتی سے
اردو شاعری کو وه تاریخی عهد ملا جسکا هندوستان ساتوین صدی هجری
کے عالم اسلامی سے زیاده خسته اور درمانده تھا ۔ تاتاری خراسان اور
شام کو تباه کرکے طوفان کی طرح گذر بھی گئے تھے ۔ لیکن دهلی جس
کی آغوش مین ریخته نے اپنی آنکھین کھولین تقریباً ایک صدی سے زیاده
قیامت انگیز تباهیون کا شکار رهی ۔ اور یهه سلسله نه صرف اٹھارویں
صدی بلکه نصف انیسویں صدی تک جاری رها اس زمانے مین اردو شاعری
" بولی " کے مقام سے گذر کر " ادبی زبان " کے مرتبے تک پهونچی
اگر یهان اس صدی کی بعض اهم واقعات کا ذکر کردیا جائے تو بے محل نه
هو گا ۔

۱۷۰۷ء مین عالمگیر کی وفات پر جانشینی کی زبردست جنگ هوئی جس
مین اسکا اسکا دوسرا شهزاده معظم کامیاب هوا ۔ دهلی کی سرحدون
پر سکھون کی یورش سے مجبور هو کر ۱۷۱۰ء مین ان کے خلاف
مهم بھیجی گئی ۔ بهادر شاه (معظم) کی وفات پر جهاندار شاه ۱۷۱۲
مین تخت نشین هوا ۔ فرخ سیر نے بغاوت کی دهلی مین قتل و غارت
گری کا بازار گرم هوا ۔ شهنشاه اور اسکے وزیر قتل هوئے اور فرخ سیر
بادشاه هو گیا ۔ فرخ سیر کے عهد مین سید بھائیون کی سازشین ،
بدعنوانیان اور سفاکیان اپنے شباب پر پهونچ گئین ۔ شرفا کی آبرو اور
جان محفوظ نه رهی ۔ ۱۷۱۹ء مین فرخ سیر معزول اور قتل هوا ۔
دهلی پھر برباد هوئی ۔

۱۷۲۰ء سے ۱۷۴۳ء تک کا زمانه انتهائی افراتفری کا تھا ۔ سکھون
جاٹون اور مرهٹون نے دهلی پر آفت ڈھا رکھی تھی ۔ ۱۷۳۹ء مین
نادرشاه کے قتل عام کا شکار هوئی ۔ اندرونی سازشون اور بدعنوانیون
نے دکن اور اوده کو خود مختار کردیا ۔ بنگال پهلے هی منقطع هو چکا
تھا ۔ ۱۷۵۶ء مین احمد شاه ابدالی نے دوسرا حمله کیا اور دهلی

---

۱ ۔ مذهب اور شاعری ۔ ڈاکٹر اعجاز حسین ۔ ص ۱۳۰

لوٹی گئی ۔ ۱۷۵۹ء مین احمدشاہ نے جو تھاحملہ کیااور بادشاہ کو قتل کرکے واپس چلاگیا۔ ۱۷۶۱ء مین احمدشاہ نے آخری حملہ کیا۔ مرہٹون کو شکست دیکر واپس ہوا۔ اب دہلی کی حکومت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ بادشاہ کو مرہٹون نے اندھا کرکے الہ آباد مین قید کردیا۔ جو وہان ۱۸۰۳ء تک قید رہا یہان تک کہ انگریزون نے جب مرہٹہ شاہی کو شکست دے کر ان کو سیاسی طور پر تباہ کردیا تب یہہ اندھا بادشاہ ۱۸۰۳ء مین آزاد ہوا ۔ اس تمام عرصے مین دہلی چھوٹے پیمانے پر برابر ظلم کا شکار ہوتی رہی مثلاً غلام قادر روہیلہ کے مظالم وغیرہ ۔

**

شاہ حاتم ـــــ اور ان کے ہمعصرون کے کلام مین یہہ سیاسی ابتری اور درماندگی پورے طور پر نمایان ہے۔ لیکن چونکہ ان شعراء کی شاعری غزل کی شاعری ہے اور غزل کا انداز اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ تصویرین بنانے کے بجائے رنگ اور خطوط کے انتخاب سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتی ہے۔ اسلئے کھلے الفاظ مین ہمین کوئی بات نہین ملتی اگر یہہ شعراء نظم کی شاعری اختیار کرتے تو کتنے ہی مرثیہ گو ہندسط کے غرناطہ و بغداد کی تباہی پر خون کے آنسو بہاتے نظر آتے۔ تاہم ان کی شاعری مین جو غم ، ناآسودگی ، مسلسل کرب ، دنیاسے بیزاری اور موت کی آرزو کی کثرت ہے وہ ان کی اس قنوطیت کی طرف واضح الفاظ مین اشارہ کرتی ہے جو ان کے دور نے ایک فطری عمل کے طور پر ان کے کلام مین پیدا کردی تھی۔

تصوف کے اثر سے علمی حلقون مین جس "اخلاق" کی پرورش ہوئی تھی وہ ایک گرانمایہ قدر ہونے کے باوجود قنوطی اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ کیونکہ اخلاق نے سیاسی حالات کے ماتحت اپنے پیمانے بدل لئے تھے۔

دینار اور درم کو نہ لا دل کے دام مین
قارون سے ہے خبر کہ خزانے نے کیا کیا
لباس فقر کا سامان پردہ پوشی ہے
تو خرقہ پوش نہین ہے جو عیب پوش نہین

مسلسل مصیبتو ن اور پیہم آفتون نے کلفت اور اذیت کو گوارا بنادیا تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ اذیت پسندی کی شکل اختیار کرلی ۔
شاہ حاتم نے بھی دوسرو ن کی طرح اس مسئلے پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

اذیت پسندی ۔

کوئی زمین نہ رہی جسپہ ہم قدم نہ رکھا
کہ خار خار ہے شاہد برہنہ پائی کا

**

اس جہان کے چمن مین لالہ مثال
سینۂ داغدار رکھتا ہو ن

**

ہیگی دشت جنو ن مین مدت سے
میرے پا نوٗن کو خار کی حسرت

سیاسی ناکامیون اور معاشی محرومیو ن نے جب زندگی کی اولین ضرورتون سے محروم کردیا تو کچھہ فطری طور پر اور کچھہ تقلیدی انداز مین (فارسی کے اثر سے) صوفیا نہ توجیہات کے سہارے بے ثباتی دنیا کا مضمو ن عام ہو گیا ۔
ترک دنیا اور بے ثباتی دنیا ۔

سیانے خلق سون یو ن بھاگتے ہین
کہ جون آتش ستی بھاگے ہے پا را

**

گھر کاہے ہم نے حاتم بر سر دار فنا
بھاڑ مین ڈالینگے لیکر منصب و املاک ہم

**

مسافر اٹھہ تجھے چلنا ہے منزل
بجے ہے کوچ کا ہر دم نقارا

**

T160

شبنم کی مثال روتے روتے
اس باغ سے چشم ترگیا دل

تلخ زندگی نے شعراء کے دلوں سے اپنی عظمت کا بھرم تک اٹھالیا تھا اور شاعر دنیا کی سب سے بڑی نعمت کو لعنت سمجھتے ہوئے ترک حیات اور نفی حیات کا دم بھرنے لگا تھا ۔ اسباب کچھ بھی ہوں مگر بات اپنی جگہہ پر قنوطی ہے۔
زندگی سے فرار موت سے رغبت ۔

فقیروں سے سنا ہے ہم نے حاتم
مزا جینے کا مر جانے میں دیکھا

**

برا ہوتا جو ہوتا عشق معدوم
بھلا ہوتا جو میں پیدا نہ ہوتا

**

لگا شتاب بھلا آدمی ہوں احسان کر
کہ اتنے جینے سے اب جی بھر گیا ہے ظالم

کچھہ وحدۃ الوجود کے اثر سے اور کچھہ اپنے عہد کی تاریخی درماندگی کی بدولت سوسائٹی ایک رسمی توکل یا بے عملی کا شکار ہو چکی تھی ۔ لعنتوں کو لعنت سمجھتے ہوئے بھی نہ صرف جھیل رہی تھی بلکہ انھیں اخلاق کی بیمار روشنی میں مبارک سمجھنے لگی تھی ۔
توکل (بے عملی) ۔

اے فلک پر وا نہیں سامان عشرت گو نہو
ہم ہیں اور کنج قفس اور نالۂ شبگیر ہے

**

کس کام کی ہمارے یہہ کیمیائے ہستی
محتاج یک نظر ہوں اکسیر ہے تو یہہ ہے

**

عند لیبو تمھین گلگشت مبارک ہوئے
ہم سے اب دشت نوردون کو کہان بارچمن

فارسی اور عربی مین دستگاہ رکھتے ہوے بھی (۱)
شاہ حاتم کوئی بڑے صوفی نہ تھے مگر تصوف اسوقت کے سماج مین اتنا دخیل ہو گیا تھا کہ اس کے علمی اور فکری مسائل عام ہو کر بید ریخ نظم کئے جارہے تھے۔ شاہ حاتم نے بھی اپنے عہد کی روایت کا احترام کیا۔

وحدۃ الوجود۔

کعبہ و دیر مین حاتم بخدا غیر خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلمان دیکھا

**

فانی جو ہوا جو بحر مین خود بحر ہو گیا
وہم حباب پردہ چشم حباب تھا

**

کہین وہ صورت خوبان ہوا ہے
کہین وہ عاشق حیران ہوا ہے

**

مندرجہ ذیل اشعار مین غزل کے آداب کا لحاظ کرتے ہوئے بہار و خزان کے پردے مین اپنے دور کے شکوے کئے ہین۔ ان اشعار سے باوجودان کے مبہم انداز بیان کے ان حقایق پر روشنی پڑتی ہے جن سے شاہ حاتم کا عہد دوچار تھا۔

گردش روزگار۔

کیا باد خزان نے گل چراغ دودمان گل
چمن کی اندنون بھی کچھہ تو رکھتی ہے خبر شبنم

**

قفس مین پھینک ہمکو پھر وہین صیاد جاتا ہے
خدا حافظ ہے گلشن مین ہمارے ہمصفیرون کا

۱۔ "دیوانزادہ" مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڑھ
از پیش لفظ۔

نہ تھی پرواز کی طاقت سر دیوار گلشن تک
کہ جو طائر تھا سو صیاد کے ہاتھوں سے پر تھا

**

اس دور کے اثر کا جو ہو جھو بیان نہیں
ہے کونسی زمین کہ جہاں آسمان نہیں

**

جن کے پوشاک سے معمور تھے توشے خانے
سو ہیں پیوند کے محتاج سراپا عریان

**

شام کو کرتا ہے عزم قتل اور بخشے ہے صبح
کاشکے اس دو رنگی سے نہ ہوتا آشنا

** **

*

** خان آرزو **

**

کلام ولی کی مقبولیت نے جو اہم شخصیتین دھلی مین پیدا کین ان مین شاہ حاتم کے علاوہ خان آرزو ، شاہ مبارک آبرو ، اور مظہر جانجانان کے نام بہت اہم ہین ۔ یہہ حضرات نہ صرف فارسی کے بڑے عالم تھے بلکہ فارسی کے شاعر بھی تھے اسلئے انکی ساری توجہ اردو پر مذکور نہ ہو سکی ۔ اردو اشعار کی مختصر تعداد ان کی افتاد طبیعت کی پورے طور پر ترجمان نہین کہی جاسکتی ہے تاہم یہہ اشعار اردو شاعری کے اس مخصوص رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہین جس پر مستقبل نے ایک عظیم عمارت تعمیر کی ۔
اپنے دور مین آرزو کی منزلت میر کے اس بیان سے متعین کی جاسکتی ہے ۔

" گاہے برای تفنن طبع دو سہ ریختہ فرمودہ این فن بے اعتبار را کہ ما اختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند (۱) "

چونکہ مشایخ (۲) اکبرآباد سے تھے اسلئے تصوف سے فطری مناسبت ہوگی ۔ فارسی اوڑھنا بچھونا تھی اسکے روایتی عشق سے بھی تعلق خاطر ہوگا ۔ تباہی سے دوچار دلی نے بھی مزاج مین غم کے عنصر کو مہمیز کیا ہوگا ۔ ورنہ شمع و پروانہ کا وہ مضمون جو طربیہ پہلو بھی اپنے دامن مین سمیٹے ہوئے ہے اسطرح مرقوم نہ ہوتا ۔

رات پروانے کی الفت سنی روتے روتے
شمع نے جان دیا صبح کے ہوتے ہوتے

ان کے یہان بھی عاشق معشوق مقتول اور معشوق قاتل ہے ۔

داغ چھوٹا نہین یہہ کدکا لہو ہے قاتل
ہاتھہ بھی دکھہ گئے دامن ترا دھوتے دھوتے

مختلف تذکرون مین دئے ہوئے چند اشعار مین سے کچھہ رقم کئے جاتے ہین ۔

کس پریرو سے مری چشم ہوئی شب کو دو چار
کہ مین دیوانہ اٹھا جب خواب سے سوتے سوتے

عبث ہے کس اپنی یون ہر وقت روتا ہے
نہ کر غم اے دوانہ عشق مین اسا ہی ہوتا ہے

---

۱ ۔ " نکات الشعراء " میر تقی میر ۔ ص ۳

جان تجھہ پر کچھہ اعتماد نہین
زندگانی کا کیا بھروسہ ہے

**

دل مارنے کا نسخہ پہونچا ہے عاشقون تک
کیا گوئی جانتا ہے اس کیمیا گری کو

**

فلک نے رنج تیر آہ سے میرے زبس کھینچا
لہون تک دل سے شب نالے کو مین نے نیمرس کھینچا

خواب مین پریرو کے دیدار سے پاگل ہو جانا ۔ عشق کی گریہ سامانی کو سمجھتے ہوے صبر و شکر سے جھیلنے پر رضامند ہونا ۔ زندگی کی بے ثباتی کی تبلیغ ۔ آسمان سے چشمک ۔ معشوق کی بے وفائی ۔ دست گلچین کی شکایت ۔ یہہ تمام کے تمام مضامین قنوطی ذہن و فکر کی غمازی کرتے ہین ۔

** ** **
**

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق)

۲ ۔ "جواہر سخن" مرتبہ کیفی چریاکوٹی ۔ جلد اول ص ۱۸۵

آبرو

شاہ مبارک "صوفیانہ" لقب سے مشہور تھے۔ دیوان طبع نہین ہوا۔ انکی شاعری کے ذکر مین مصحفی کا ارشاد ہے۔

"شعر را بطوریکہ درآن زمانہ رواج داشت
بسیار بخز بی گفتہ (۱)"

میر نے ان کے صوفیانہ مزاج کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"نبیرہ حضرت محمد غوث گوالیاری است ...
غرض مستغنی وقت خود بود (۲)"

آبرو ـــــ بھی تقلیدی معشوق کا شکار ہین۔

تمہاری لوگ کہتے ہین کمر ہے
کہان ہے کسطرح کی ہے کدھر ہے

اپنے عشق کی بیچارگی اور مجبوری کا خود اظہار کرتے ہین۔

عشق ہے اختیار کا دشمن
ہوش و صبر و قرار کا دشمن

**

کاہے بے خبرد نون جہان سے
محبت کے نشے مین کیا اثر ہے

**

حق مین عاشق کے مگر لطف ستم تھا یا رب
دل لیا جب سے مجھے تب ستی آزار دیا

آبرو پر بھی اس مرض عشق کا لازمی نتیجہ دنیا سے نفرت اور زندگی سے وحشت کی صورت مین ظاہر ہوا۔

آبرو آب زندگی سے لذیذ
جان لیتا ہے جام تجھہ لب کا

۱۔ "تذکرۂ ہندی" از مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق۔ ص ۷
۲۔ "نکات الشعراء" از میر۔ ص ۹

عشق کی ناکامیون اور شکستون نے قناعت پیشہ بنایا ہے۔

ہر گدا گوشۂ قناعت مین
شاہ ہے ملک بے نیازی کا

زندگی سے نفرت کی تبلیغ ملاحظہ ہو۔

زندگی ہے سراب کی سی طرح
بادبندی حباب کی سی طرح

یاس کی ایک منزل مین شخصیت اپنی محرومیون پر فخر بھی کرتی ہے۔
آبرو اس منزل کے بھی عکاس ہین۔

شور ہے اسکی اشکباری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

**

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

**

ان اشعار سے آبروکے اس محبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کی تان نفی حیات پر ٹوٹی ہے۔

زندگانی تو ہر طرح کا ٹی
مرکے پھر جیو نا قیامت ہے

****
****
*

مرزا مظہر جانجان

جانجان ـــ بھی وہ صوفی شاعر ہین جنھون نے فارسی مین اپنے علم و فن کا اظہار کیا ہے۔ ریختہ مین شغلاً کبھی اشعار (۱) موزون کرلیا کرتے تھے۔ پھربھی وہ متقدمین مین اہم مقام رکھتے ہین

"درابتداے شوق شعر کہ ہنوز از میر و میرزا وغیرہ کسے دعرصہ نیامدہ بود در دور..... گویان اول کسے کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ است ۔ چون درآن روز ہابہ میر عبدالحی تابان دوستی بسیار داشت چندغزلیات متعددہ از خامہ فکرش بر صفحہ کاغذ ریختہ بودند کہ مشارالیہ مانع آمدہ ۔ آخر ایشان قرار شعر گفتن خود بہ زبان فارسی دادند و بعدازین بہ ریختہ زبان نپالودند (۲) "

مصحفی کے اس بیان سے جانجان کے عشق مجازی کی طرف ایک اشارہ ملتاہے۔ لیکن وہ تصوف کے وسیلے سے حریم معرفت کے بھی رازدان تھے

"مرزامظہرجانجان علوی نسب ۰۰۰ کسب باطن از خدمت سید نورمحمد براونی نقشبندی مجددی فرموده و بسبب پاکیزگی گوهر و حسن فطرت قطعاً بزخارف دنیاره نکرده ۰۰ همه تن در مجسم دل نم و هنگامه عاشقی گرم داشت (۳) "

ان بیانات سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ مظہر اپنے وقت کے بڑے صوفی شاعر تھے۔ متقدمین کی طرح انھون نے بھی فارسی کو اردو پر ترجیح دی ۔ پھربھی جو کچھہ اشعار ان کے دستیاب ہوتے ہین ان سے جانجان کے مسلک شعری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ "سخن شعراء" از عبدالغفور نساخ ۔ ص ۲۲۸
۲۔ "تذکرۂ ہندی" از مصحفی ۔ ص ۲۰۳
۳۔ "گلشن بیخار" از شیفتہ ۔ ص ۳۱۸

تذکرون مین صرف ایک مکمل غزل ملتی ہے۔ جسکے ایک ایک شعر مین حیات و کائنات سے وابستہ خون گشتہ ارمانون کا ماتم ملتا ہے۔

چلے اب گل کے ہاتھون سے لٹا کر کاروان اپنا
نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن مین کچھہ نشان اپنا
یہہ حسرت رہگئی کس کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغبان اپنا
الم سے یانتلک روئین کہ آخر ہو گئین رسوا
ڈبویا ہائے آنکھون نے مژہ کا خانمان اپنا
جو تو نے کی سو دشمن بھی نہین دشمن سے کرتا ہے
غلط تھا جانتے تھے تجھہ کو جو مہربان اپنا
مرا جلتا ہے جی اس بلبل بیکس کی غربت پر
کہ جسنے آسرے پر گل کے چھوڑا آشیان اپنا

کوئی آزردہ کرتا ہے سخن اپنے کو ہے ظالم
کہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانجان اپنا

یاس و الم سے بھرپور اسی غزل مشکل سے کسی اور کے یہان ملیگی۔

گرچہ الطاف کے قابل یہہ دل زار نہ تھا
مگر اس جور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا

اپنی مصیبتون پر اتنی مدھم لے اور اتنی دھیمی زبان کی شکایت ان کے دل کے انتہاء درد کو آئینہ دکھلاتی ہے۔

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومین مچاتی ہے بہار
ہائے بس چلتا نہین کیا مفت جاتی ہے بہار

شاعر کا موڈ اور لہجہ صاف صاف کہرہا ہے کہ یہان " توبہ " نفت کی توبہ نہین ہے بلکہ تقدیر سے وہ لاچاری ہے جس نے تدبیر کے ہر خواب کو شکست کردیا ہے۔

ہم گرفتارون کو اب کیا کام ہے گلشن مین لیکر
جی نکلجاتا ہے جب سنتے ہین آتی ہے بہار

عیش مطرب

عیش و طرب کی علامت بہار کی آمد سے جی کا نکل جانا صرف مظہر کے ذاتی غم کا ہی غماز نہین ہے بلکہ اس دور کی دلّی کی خونچکان تاریخ کے اوراق بھی سامنے آجاتے ہین ۔

اتنی فرصت دے کہ رخصت ہو لین اے صیاد ہم
مدتون اس باغ کے سائے مین تھے آزاد ہم

اس شعر کی تشریح کی بجائے شیخ چاند کی زبان سے سودا کے ایک شعر کی تفسیر سن لیجئے ۔

خانہ پرورد چمن ہین آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہولین گل سے ٹک آزاد ہم

شیخ چاند ـــــ کا کہنا ہے کہ شیخ (یعنی مرشد) کو چاہئے کہ سالک (نو وارد بساط سلوک) کو تعلیم فنا سے قبل دنیا کے تعلقات سے متنفر کردے ۔ ایک پرستار چمن پھول سے رخصت ہونے کے لئے صیاد سے چند لمحون کی بھیک مانگتا ہے ۔ شیخ چاند کا کہنا ہے کہ صیاد یعنی شیخ سے گل یعنی تعلقات دنیوی سے نجات حاصل کرنے کی آرزو کی گئی ہے تا کہ فنا کی منزلین آسان ہو جائین ۔ یہہ مطلب ممکن ہے صحیح ہو مگر قرین قیاس نہین معلوم ہوتا ۔ جانجان کا مندرجہ بالا شعر تقریباً بالکل اس مفہوم کا حامل ہے ۔ بلبل قید ہونے سے پہلے باغ سے رخصت ہونے کی التجا کرتی ہے ۔ نہ صرف جانجان بلکہ سودا کا شعر بھی صیاد ، باغ اور قید و رخصت کے الفاظ کی وجہ سے جتنا اپنے دور کی تاریخ کا غماز ہے اتنا صوفیانہ تعلیم کا حامل نہین ہے ۔ اور بفرض محال شیخ چاند کا مطلب صحیح ہے تو جانجان کے شعر کا بھی وہی مطلب ہونا نکلتا ہے ۔ اور یہہ دونون مطالب قنوطی ہین ۔

زخمی تری نگہہ کا اک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل مین ٹک دم لیا تو پھر کیا

یعنی فرصت ہستی موت کے آنے سے قبل کا وقفہ ہے ۔

سب یہہ کہتے ہین مر گیا مظہر
فی الحقیقت مین گھر گیا مظہر

اس فرصت ہستی کو "غربت" کا لقب دے کر مظہر نے زندگی کی جو قیمت بتائی ہے وہ تصوف کے نزدیک کتنی ہی بڑی عرفانی حقیقت ہو مگر قنوطیت کی تعریف پوری اتر تی ہے -

****

** خواجہ میر درد **

خواجہ میر درد کا نام ، میر و مرزا کے ساتھہ لیا جاتاھے۔ صوفیانہ شاعری کی بدولت تمام تذکرہ نگاروں کی عزت و عظمت کے مستحق قرار پائے۔ میر جیسے فنکار کا یہہ لہجہ درد کی عظمت کی بیّن دلیل ھے۔

" پیش ازین این مجلس بخانہ اش مقرر بود از گردش
روزگار بیمدار برھم خورد از بسکہ باین احقر اخلاص
دلی داشت گفت کہ این مجمع را شما اگر بخانہ خود
معین بکنید بہتر است نظر باخلاص آن مشفق عمل کردہ
آمد خداش ابدالآباد سلامت دارد (۱) "

شیفتہ جنکی نقد و بصیرت کے غالب قائل تھے درد کے مذکور مین رقمطراز ھین

"
از طبقہ صافیہ صوفیہ است " حد فضائل صوری
و کمالات معنوی وے خارج از حد رقم و بیرون
از نیروی قلم است ۰۰۰۰ با از گداختگی دل و
بر شتگئی جگر و دردمندی خاطر باز گوئد (۲) "

درد اردو کے ان چند شاعرون مین سے ھین جنکا کلام اپنی زندگی کی آئینہ داری کرتاھے۔ اپنی متو کی اور متدین زندگی کی طرح آن کا کلام بھی نہ صرف ھموار پاکیزہ اور سنجیدہ ھے بلکہ ھر طرح کی لغویات سے بھی بالکل پاک ھے۔ جبکہ میر ایسا محتاط اور گوشہ نشین شاعر بھی ان لعنتون سے محفوظ نہ رہ سکا۔

خواجہ صاحب صوفی زادے ، سجادہ نشین اور خلیفہ تھے۔ یعنی ان کی زندگی کا ھر دور تصوف کے سائے مین بسر ھوا تھا۔ اس لئے فطری طور پر ان کے کلام پر تصوف کی چھاپ ھے۔ ان کی عملی زندگی بھی صوفیانہ عقائد کی تعبیر و تشریح ھے۔ دھلی کے انتہائی پر آشوب زمانے مین جب میر و سودا ایسے مقبول با اثر اور

۱۔ نکات الشعراء ۔ میرتقی میر ۔ ص ۱۲
۲۔ گلشن بیخار ۔ شیفتہ ۔ ص ۶۸

" وطن پرست " شعراء ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ درد اپنی خانقاہ میں توکل کی مسند بچھائے قناعت کا وظیفہ پڑھتے رہے۔ مولف خمخانہ جاوید کا بیان ہے۔

" یہہ صبر و قناعت ہی کا کرشمہ تھا کہ سودا میر ، مصحفی و انشا ایسے مشاہیر سلطنت کی تباہی اور رات دن کی غارتگری سے تنگ آ کر تلاش روزگار میں دہلی کو خیر باد کہکے بلاد شرقیہ کو روانہ ہو چکے تھے۔ مگر ان کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی" ۔ (۱) "

خواجہ میر درد ـــــ کی شاعری کے پس منظر کو واضح کرنے کے لئے اس تاریخی خلفشار کو دہرانے کی ضرورت نہیں جسکا ذکر حاتم کے ضمن آ چکا ہے تاہم میر ، درد ، مصحفی ، جرأت ، انشا اور سوز کا دہلی چھوڑنا ہی اس عہد کی افراتفری کا غماز ہے۔ جس میں درد نے شعر کی آبرو رکھی ہے۔ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں وہ عہد ہی اپنے دور کے شاعروں کی قنوطیت کا ذمہ دار تھا۔ چہ جائیکہ درد جو اس زمانے کے شاعر ہونے کے علاوہ ایک زبردست اور باعمل صوفی تھے۔ درد کی شاعری میں قنوطیت کا سراغ لگانے کے لئے جبر ، فنا ، قناعت اور وحدۃ الوجود کے صوفیانہ مسائل کے شعری خاکوں کی تلاش بے سود ہے کیونکہ ان کے مختصر سے اردو دیوان میں نفی حیات اور نفی کائنات کے واضح مضامین کی کثرت ہے۔ بدہ مت اس لئے قنوطی ہے کہ اسکے نزدیک یہہ زندگی بدی ہے ۔ شوپنہار اس لئے قنوطی ہے کہ اس دنیا میں غم ایک حادی قدر ہے اور اس غم سے رستگاری ناممکن ہے۔ سودا جیسے ہنسوڑ کا یہہ شعر ۔

سودا بدل کے قافیہ تو اس غزل کا لکھہ
اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

درد کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف کے علاوہ اس عہد کے مزاج کا بھی غماز ہے جو لاشعوری طور پر قنوطیت کا شکار ہو چکا تھا ۔

۱۔ خمخانہ جاوید مولف کنھی چڑیا کوٹی جلد سوم ص ۱۶۸

۲۔ بدہ مت ۔ تفصیل کے لئے پہلا باب ملاحظہ ہو ۔

نفی حیات ۔

ماتم کدہ جہان مین جون ابر
اپنے تئین آپ رو گئے ہم

**

جنھون کے دل مین جگہہ کی ہے نقش عبرت نے
سدا نظر مین وہ لوح مزار رکھتے ہین

**

گر دیکھئے تو مظہر آثار بقا ہون
اور سمجھئے جو ن عکس مجھے محو فنا ہون

**

نے گل کو ہے ثبات نہ ہمکو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کرین

**

موت کا آگے فقیرون سے تجھے لینا ہے
مونے سے آگے ہی یہہ لوگ تو مر جاتے ہین

**

نفی کا اثبات **

اہل زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا ۔
پر اب جو کچھہ ہے یہہ تو کسونے سنا نہ تھا

**

وہ دن کدھر گئے کہ ہمین بھی فراغ تھا
یعنی کبھی تو اپنے بھی دل تھا دماغ تھا

**

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک مین ملا ۔
وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا

**

مین اپنا درد دل جا کہون جس پاس عالم مین
بیان کرتے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

**

محتسب آج تو میخانے میں تیرے ہاتھوں ۔
دل نہ تھا کوئی کا شیشے کی طرح چور نہ تھا

**

کیسہ گل ہی باغ میں نہیں شکستہ دل
ہر غنچہ دیکھا ہوں تو ہے گا شکستہ دل

**

اس طرح کے اشعار میر درد کے مختصر سے دیوان میں بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں ۔ ان اشعار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جو صوفیانہ مسائل سے تعلق رکھتے ہوں بالواسطہ تو طبیعت کے دائرے میں آجاتے ہیں ۔

خانقاہی زندگی کے باوجود درد کے اشعار میں اس دور کے واردات کا پرتو ملتا ہے جو ایک طرف اس بات کے شاہد ہیں کہ شاعر اپنے متصوفانہ افکار اور عملی گوشہ نشینی کے باوجود اپنے دور کی پیداوار ہے ۔ دوسری طرف اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ سیاست سے بے تعلق عام آدمی بھی اس عہد کے انتشار اور ابتلا کا شکار تھا مثلاً

** ہو طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزادہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

** شیخوں کے لئے فلک پھرے ہے
کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے

** جو خرابی کا درد بان پھیلی
دست قدرت سے کب سمٹی ہے

** طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

** عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یوں ہی گھلا دیئے

** ** **

باب چہارم (میر و [redacted] ، سودا)

میر کی غزلوں نے اردو شاعری کو وہ منزلت بخشی جہاں سے عظیم شاعری کا آغاز ہوتا ہے - فارسی کے شعری ادب کے مقابلے میں "ریختہ" کو شہرت دینے اور قبول عام بنانے کا سہرا میر کے سر ہے - میر کی بڑائی کا اعتراف بڑے بڑوں نے کیا ہے -

ریختے کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب * کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
غالب اپنا تو عقیدہ ہے بقول ناسخ * آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میں ہی کچھ ناسخ نہیں ہو غالب دیوان میر * کون ہے جسکو کلام میر کی حاجت نہیں
شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں * آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب * ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

سودا و میر دونوں تھے استاد پر امیر * ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں

یہاں اس امر کے دہرانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں قنوطیت کی موجودگی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ دراصل قنوطی ہے - بڑے سے بڑے رجائی شاعر کے نغمے میں قنوطیت کی لئے اور بڑے سے بڑے قنوطی شاعر کے گیت میں رجائی آہنگ مل سکتا ہے -

میر کی قنوطیت پر بحث کرنے سے پہلے ان خارجی حالات و حوادث کو نظر میں رکھنا ضرور ہے جنھوں نے میر کی زندگی کو اندوہ و الم کا آماجگاہ بنا دیا -

میر کے والد خود میر کی زبانی بڑے صوفی صافی درویش (۱) دلریش تھے - انھوں نے معرفت کی راہوں میں مجاہدے اور مجاہدے کئے تھے - ان پر جذب کی کیفیت عموماً طاری رہتی - جب کبھی ہوش میں آتے تو اپنی خورد سال اولاد کو نصیحت فرماتے کہ یہ دنیا فانی ہے - زندگی وہم ہے وہم کے پیچھے دوڑنا عبث ہے - ان کی یہ تعلیم محض زبانی نہیں تھی بلکہ وہ اس پر سختی سے عامل بھی تھے - ان کو علائق دنیوی سے نفرت تھی اور طبیعت ہجوم خلائق سے پرہیز کرتی تھی - بعض اوقات ان پر اس درجہ رقت طاری ہو جاتی کہ ہچکی بندھ جاتی - امیرالامرا شجاع الدولہ بڑی منتوں سے ملتجی

---

(۱) "میر تقی میر" از خواجہ احمد فاروقی - ص - ۵۶

ہوئے کہ دولت دیدار سے مشرف کیجئے مگر انھوں نے فقر کا امارت سے رشتہ جوڑنا مناسب نہ جانا کیا ۔

میرکے والد کے ایک عزیز مرید سید امان اللہ جن سے میر قرآن شریف پڑھتے تھے اور جن کی عاطفت میں میر نے اپنا لڑکپن گزارا تھا ۔ خود بڑے صوفی تھے اور فقراء سے بڑا اخلاص رکھتے تھے ۔ "ذکر میر" میں ایسے بہت سے واقعے درج ہیں جن میں میر اپنے "چچا" سید امان اللہ کے ساتھ اولیاء کبار کے حضور میں عقیدت کے ساتھ حاضر نظر آتے ہیں ۔ بایزید جو سید امان اللہ کے ایک شناسا بزرگ تھے ان کی موت کا تذکرہ "ذکر میر" میں بڑے تاثر کے ساتھ درج ہے ۔ میر کے چچا نے بایزید کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا کہ بایزید بہت خوش ہیں اور کہہ رہے ہیں ۔ دیکھا تم نے اس عشق نے میرے اندر کیسی آگ لگا رکھی تھی ۔ اس کا علاج بجز موت کچھ بھی نہ تھا ۔ جب میرے محبوب نے میرے بیتابی کو دیکھا تو مجھے لطف کے سمندر میں ڈال دیا ۔ اور مجھے گوہر مقصود سے نوازا ۔ اس عشق کی تعلیم خود ان کے والد نے بھی دی تھی ۔ عالم میں جو کچھ ہے عشق کا ظہور ہے آگ سوز عشق ہے ..... پانی رفتار عشق ہے .....خاک قرار عشق ہے ۔ ہوا اضطراب عشق ہے..... موت عشق کی مستی ہے .....مقام عشق عبودیت زاہدیت عارفیت صدیقیت خلوصیت مشتاقیت اور حبیبیت سے بالاتر ہے ۔ عشق کی یہ نصیحت میر کی کمسن زندگی میں بھی رنگ لائی ۔ وہ ایک انجان سوز سے مضطرب رہنے لگے ۔ میر کے والد جب انھیں گلے لگاتے تو ازراہ شفقت ارشاد کرتے ۔ اے سرمایۂ جان یہ کیسی آگ ہے جو تیرے دل میں چھپی ہے ۔ یہ کیسا سوز ہے جو تیری جان کے ساتھ لگا ہے اس پر میر ہنس دیتے اور وہ رونے لگتے میر کے والد سے ان کے چچا سید امان اللہ کی تقریب ملاقات بھی یہی عشق تھا

یہ نیم ماورائی ماحول میر کی ساری ابتدائی زندگی کا گرد ہالہ کئے ہوئے ہے ۔ ان کے والد کو ایک درویش اسد اللہ نے مژدۂ وصال سنایا جس کے وسوسے نے میر کے چچا سید امان اللہ کی جان لے ڈالی ۔ میر کے دل پر ان کے چچا کی موت سے ایسی چوٹ پڑی کہ ان کے والد کی دلجوئی بھی سکون نہ دے سکی ۔ دس سال کی صغیر عمر میں جب عموماً لڑکے دنیا کو ایک رنگین کھلونے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ۔ میر نے یتیمی کا زخم کھایا ۔

"دریا دریا ریستم لنگر از کف دادم سر را برسنگ زدم برخاک افتادم" (۱)

"ذکر میر" کا مطالعہ شاہد ہے کہ اکبرآباد میں کوئی ایسا بزرگ خاندان نہ تھا جو میر کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتا - ان کے بڑے بھائی حافظ محمد حسن نے برادر یوسف کی کہانی دہرائی - کسی کرم فرما سے سود پر قرض لے کر میر نے باپ کا قرض ادا کیا اور تجہیز و تکفین کی - اور اس کمسنی میں اپنے چھوٹے بھائی کی کفالت کا بار اٹھایا - آگرہ اور اطراف میں مایوسانہ پھر کر وہ دلّی تلاش معاش کی فکر میں آئے - اس دور کی دلّی ہندوستان کی دارالسلطنت تو نام کو تھی حقیقت میں سازش بغاوت تباہی افلاس اور خون ریزی کا مرکز تھی - عالمگیر کے انتقال نے اٹھارویں صدی عیسوی کے ہندوستان کو جس عام بد حالی اور صوائف الملوکی سے دوچار کر دیا تھا "محتاج بیان نہیں" - میر اگر اپنی دستار نہ سنبھال سکے تو کوئی حیرت کی بات نہیں -

"مغل سلطنت پر زوال آچکا تھا - جانہ جنگیوں نے پشتوں کے اندوختہ خزانے ویران کر دئے تھے - سلطنت کے نظم و نسق میں مکمل ابتری تھی - مال گزاری وصول نہ ہوتی تھی - عہدہ داروں کی تنخواہیں چڑھتی رہتی تھیں - بادشاہوں کے روز روز بدلنے سے شاہی افسروں میں وفاداری کا فقدان ہو چکا تھا - جانہ جنگیوں اور راجپوتوں سکھوں جاٹوں اور مرہٹوں کے خلاف مسلسل لڑائیوں میں پرانے امراء کا خاتمہ ہو چکا تھا - فوج کی ابتری نے مہمات پر شکست کے دروازے کھول دئے تھے - سپہ سالاروں کی آبائی شجاعت اور نام سے وفاداری رخصت ہو چکی تھی - شہنشاہ سے سپاہی تک سارا حکمراں طبقہ اخلاقی مفلسی اور بد حالی کا شکار تھا - اپنی نفسی نفسی میں سلطنت کی بھلائی کا خیال افسانہ ہو کر رہ گیا" - (۲)

اس دور ابتلا کی دہلی میں عرصے تک خاک چھاننے کے بعد میر صمصام الدولہ (۳) امیرالامراء کی سرکار سے مختصر سے "روزینے" پر منسلک

(۱) "ذکر میر" از میر - ص - ۵
(۲) "تاریخ اہل ہند" از ڈاکٹر تارا چند - ص - ۳۲
(۳) "ذکر میر" ص - ۵

ہوگئے - اس عمر کی تلخ اور ناکام زندگی میں جیسے کسی بات کی کمی تھی کہ نادر شاہ پنجاب کو روندتا ہوا دلّی میں فاتحانہ داخل ہوا اور صمصام الدولہ مارے گئے -

"نواب موصوف بسبب پیری و تنگی کشتہ افتاد" (۱)

سترہ اٹھارہ سال کے نوجوان میر نے بردبار کی بے آسرا و بے روزگار مفلس زندگی میں خارجی عالم کا پہلا اور سب سے بڑا حادثہ دلّی کا وہ قتل عام اور تباہی دیکھی جو بیان سے باہر ہے - لاکھوں انسان خاک و خون میں مل گئے - امرا فقیر ہوگئے اور دلّی بیوہ - فقر و فاقہ سے تنگ آکر وطن کا رخ کیا یہاں بھی چین نہ نصیب ہوا کہتے ہیں -

"کسانیکہ کہ پیش (۲) درویش - اکبائے مراکحل بصرت ساختند یکبار از نظرم انداختند"

میر گھبرا کر در و دیوار پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے (۳) ترک وطن کر کے پھر دلّی کے لئے نکل کھڑے ہوئے - مگر اب میر کو اس روزگار کے علاوہ نشتر عشق سے بھی دوچار ہو چکے تھے -

"بہ شہر خوبان باپرن (۴) تمثالے کہ از عزیزانش بود - در پردہ تعشق ومیں حاصر داشت - آخر عشق او حاصۂ شد پیدا کردہ .....
از ننگ افشائے راز از وطن واقربا بادلے پُر پروردۂ حسرت و حرمان و با حاصر ناشاد دست و گریبان قطع رشتہ حب وطن ساختہ از اکبرآباد"

خان آرزو جو میر کے سوتیلے خالو اور سرپرست تھے اپنے حقیقی بھانجے حافظ محمد حسن کے ابھارنے پر میر سے بدظن ہوگئے -

"میر محمد تقی (۵) فتنۂ روزگار است زنہار بہ تربیت او نباید پرداخت .....
آن عزیز (خان آرزو) دنیا دار راقص بود - نظر بہ خصومت همشیرزادۂ خود بدمن اندیشید .....چہ بیانکنم کہ از وچہ دیدم"

---

(۱) "ذکر میر" - ص - ۶۳
(۲) "ذکر میر" - ص - ۶۳ (۳) "تذکرہ بہار بے خزاں"
(۴) "ذکر میر" - ص - ۶۴
(۵) ہر کام گلہ لب پہ یاران وطن کا تھا -

ممکن ہے خان آرزو کی یہ رنجش نوجوان میر کی عاشقی کی بدولت ہو ۔ بہرحال یہ زخم میر نے ایسا کھایا کہ ساری عمر ناشاد و نامراد رہے ۔ افلاس ناکام محبت اور اپنوں کی دلآزاری نے ان کے دماغ کا توازن جھنجھوڑ ڈالا ۔ وہ پاگل ہوگئے ۔ تیز رفتار تخیل نے جاند میں خیالی تصویر کھینچدی ۔ میر کو جنون ورثے میں بھی ملا تھا ۔ ان کے چچا پاگل ہوگئے تھے ۔ ان کے باپ نے بھی سلوک و معرفت کی راہوں میں ہوس و حواس کی دولت لٹائی تھی ۔ میر کو یہ شرف جنسی محبت کی شکست نے بخشا ۔ وہ خانہ زاد زلف کے ساتھ ساتھ خانہ زاد زنجیر بھی رہے ۔ مثنوی " خواب و خیال " میں میر نے اپنے عشق و جنون کی داستان ساری جزئیات نگاری کے ساتھ بیان کی ہے ۔ میر کا جنون زنجیر و زندان سے تو آزاد ہو گیا مگر وحشت نہ گئی ۔ آخر خان آرزو نے میر کو نصیحت کی

"اے عزیز دشنام موزوں دعائے ناموزوں سے بہتر اور رحمت کے پارہ کرنے سے نقصیر شعر خوشتر" (۱)

ذاتی اور اجتماعی زندگی کی اتنی المناکیوں کے درمیان میر نے ریختہ اختیار کیا ۔ شوپنہاور جس نے سیاسی طور پر الوالعزم جرمنی کی امیرانہ زندگی پائی تھی ۔ سوتیلی ماں کے صرف ایک داخلی غم پر زندگی بھر مایوس و ملول رہا آنسو بہاتا رہا اور زندگی و دنیا کے نام پر لعنت بھیجتا رہا ۔ میر کے تو چاروں طرف اندھیرا تھا ۔ ان کے یہ اشعار ان کی ذاتی المناکی کے بھی مظہر ہیں ۔

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا * کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انھیں * تھا کل تلک دماغ جنھیں ناز و تخت کا
تو ہے بیچارہ گدا میر ترا کیا مذکور * مل گئے خاک میں یاں صاحب افسر کتنے

ان اشعار میں اس دور کے "شاہان شعرا" پر ٹوٹے ہوئے مظالم کی تلخ حقیقتیں نظم کی گئی ہیں ۔ فرخ سیر اور احمد شاہ وغیرہ کے درد ناک انجام سے تاریخ کے صفحات رنگین ہیں ۔

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جنکی * انھوں کی آنکھ میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

---

(۱) تذکرہ " حور معرکہ زیبا " از سعادت ناصر خان ۔ ص ۹۴

احمد شاہ اور شاہ عالم کی آنکھین "قلعہ معلی" کے رمنوں مین نکالی گئین - غلام قادر اور دوسرے درباری امراء نے شہزادون کی جانین لین اور شہزادیون کی عصمتین لوٹین - میرنے یہ سب کچھ اپنی آنکھون سے دیکھا ہے اور آنسو بہائے ہین - درباری امراء کی جانہ جنگون اور افغانون روہیلون جاتون اور مرہٹون کی آئے دن کی سفاکیون نے دلّی کا جو حال کردیا - اسے میرکے الفاظ مین دیکھئے -

صناع ہین سب حوار ازان خطہ جون مین بھی
ہے عیب بڑا اس مین جسے کچھ ہنر آوے

کوئی نہین جہان مین جو اندوہگین نہین * اس عمکدے مین آہ دل حزیں کہین نہین
اب خرابہ ہوا جہان آباد * ورنہ ہر اک قدم پہ یان گھر تھا

دلّی مین بہت سخت کی اب کے گزران * عبرت نہ رہی عاقبت کار نہ جان
یارون مین نہ تھا کوئی مروت و کرم * تاحد نظر صاف پڑے تھے میدان

میرنے غزل کے حدود مین رہکر اور تغزل کی قیود کا احترام کرکے حوادث روزگار کی ترجمانی ان اشعار مین کی ہے - غزل کا فن تفصیل و تشریح کا متحمل نہین ہوتا اس نگارخانے مین سارے تصویرین خطوط کی صناعی اور رنگون کی سادگی اور شوخی کے سہارے دیکھی جا سکتی ہین -

میرنے مخمس مین تاریخی شعور اور سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا ہے - قوم و ملک کی تباہی کو بجا طور پر امراء اور وزراء کی نالائقی حرص ناکی اور بد اخلاقی سے تعبیر کیا ہے -

لعل خیمہ ہے خوشبو اساس * پالین ہین رنڈیون کی اسکے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس * رعب کو لیجئے یہین سے قیاس
قصّہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

جتنے ہین یان امیر بے دستور * پھر بحسن سلوک سب مشہور
پہونچتا ان تلک بہت ہے دور * بات کہنے کا وان کے مقدور
حاصل ان سے نہ دل کو غیر حزن

جارلتے ہین مستند کار * دس تلنگے جو ہون تو ہے دربار
ہین وضع و شریف سارے حوار * لوت سے کچھ ہے گرمی بازار
سو ہی قند سیاہ ہے یا ماش

میرکے یہ نالے بہت جلد دلّی کے ماتم کدون سے سنائی دینے لگے
سنہ ۱۷۴۱ءکے آس پاس شاہ حاتم نے میرکی غزل پرغزل کہی ہے -

اس کی نظرون مین دوئی سے جوکہ ہے ناآشنا
ایکہ سے دونون ہین کیا بیگانہ وکیا آشنا

سنہ ۱۷۴۸ء مین میرنواب رعایت خان کی سرکارمین نوکرہوگئے - ان کی غزلین لوگ دلّی سے باہربطورتحفہ بھیجنے لگے تھے - چند برسون کی مشق سخن پرمیرکی اتنی مقبولیت اس زمانے کے مزاج ہی کوآئینہ نہین کرتا جوفطری طورپریاس وقنوط کا شکارتھا بلکہ خود میرکی شاعری مین بھی قنوطیت کی شہادت دیتا ہے - شوینہابرکی پہلی تصنیف مدتون تک گمنامی مین اس لئے پڑی رہی کہ اس سے قنوطیت کی بوآتی تھی اوراس کا جرمنی بڑے بڑے سیاسی خواب دیکھ رہا تھا - دلّی کی حرمان نصیبی نے میرکے شیون مین اپنے دل کی پکارسنی -

"زندگی کرنے" کے لئے اپنی طبیعت کے خلاف دنیادارون کے نشیب وفرازبھی سہے - صمصام الدولہ کے بعد جاوید خان - رعایت خان مہا نراین دیوان اورراجہ جگل کشوروغیرہ کے دامان دولت سے اپنے کوواہستہ کیا - لیکن کہین انھین سکون نہ ملا - دلّی سے بھاگ بھاگ کرانھین جان بچانا پڑی - درختون کے سائے مین راتین کاٹین مسافرت مین دن گزارے ایک مخمس مین اپنی ہجرت کی مصیبت بیان کی ہے -

کامان سے تلخ کام اٹھایا مرے تئین * دلّی مین بے دلانا پھرایا مرے تئین
ہمچشمون کی نظرسے گرایا مرے تئین * حاصل کہ پس سرمہ بنایا مرے تئین
مین مشت خاک مجھ سے اس قدرغبار
جانا جہان نہ تھا مجھے سوہاروان گیا * ضعف قوی سے دست بدیواروان گیا
محتاج ہوکے نان کا طلبگار وان گیا * چارہ نہ دیکھا مضطرو ناچاروان گیا
اس جان ناتوان پہ کیا صبر اختیار
پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیرسے * عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیرسے
فتنے ہمیشہ آتے رہے سرپہ تیرے * ہرچند التجا کی صغیروکبیرسے
لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطرار

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ * دلسوزی درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام جلتا ہے سارا جگر ہے داغ * ہے نام مجلسوں میں مرا میرے دماغ
ازبسکہ بے دماغی نے پایا ہے اشتہار

زندگی کی یہ مصیبت جھیلی لیکن زندگی سازگار نہ ہوئی - پھر بھی وہ سنہ ۱۷۸۲ھ تک دلّی میں کسی نہ کسی طرح گزربسر کرتے رہے - میرنے جس طرح زندگی کے دن کاٹے ہوں گے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بارہا شاہی حرم سرا کا مطبخ ٹھنڈا رہا - بھوک سے بیتاب ہوکر شہزادیوں نے جمنا میں کودکر اپنی جانیں دے دیں - شہزادے دو دو دن تک بے آب و دانہ اپنے مکانوں کی چھت پر روشی کے لئے جلاتے رہے مگر نصیب نہ ہوئی (۱) غلّہ موتیوں کے بھاؤ بک رہا تھا - مصحفی کہتے ہیں -

فاقوں کی زہر مار ہے بیچاروں کے اوپر * جو ماہ کہ آتا ہے وہ ماہ رمضان ہے

لیکن فوراً آل تیمور کی شان میں گستاخی کا احساس ہوتا ہے اور اس طرح معذرت کرنے لگتے ہیں -

کل جائے زبان میری کروں جو گرانکی * یہ تنگ معاشی کا سلاطین کا بیان ہے
اے مصحفی اس کا کروں مذکور کہانتک * ہے صاف تو یہ گلشن دہلی میں خزان

میر کی دلّی کا بیان مصحفی ہی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے -

دلّی ہوئی ہے ویران سونے کھنڈر پڑے ہیں * ویران ہیں محلّے سنسان گھر پڑے ہیں
دیکھا تو اس چمن میں باد خزان کے ہاتھوں * اکھڑے ہوئے زمیں سے کیا کیا شجر پڑے ہیں
بلبل کا باغباں سے اب کیا نشان پوچھوں * بیروں در چمن کے اک مشت پر پڑے ہیں

آخر کار میرنے گوشہ نشینی اختیار کی بادشاہ کی دعوت پر بھی حضوری کا بار نہ اٹھا سکے - لیکن خانقاہ میں بھی بہت سے پناہ نہیں ناچار آصف الدولا کی دعوت پر غربت اختیار کی - اگر مولانا آزاد کی روایت صحیح ہے تو پہلی ہی رات انھیں دلّی کی یاد آئی -

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو * ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب * رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا * ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

---

(۱) میجر کننگھم بحوالہ ٹوان لائیٹ آف دی مغلز - ص - ۶۲

میر لکھنؤ میں خوش نہ رہ سکے ۔ ممکن ہے میر کی معاشی مصیبتیں ختم ہو گئی ہوں کیونکہ نواب نے دو سو یا تین سو روپیے ماہانہ ان کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۔ لیکن اس کی وصولیابی (۱) میں یقیناً دقت ہوتی ہوگی جو میر جیسے خود دار آدمی کے لئے پریشانی خاطر کا باعث ہوتی ہوگی ۔ سودا اور مصحفی کے "شکایت نامے" اس پہلو کا ثبوت ہیں ۔ لکھنؤ میں جو دلی کی سیادت کا جوا اپنے کاندھے سے اتار پھینکنا چاہتا تھا میر کو ہر چیز اجنبی نظر آتی ہوگی ۔ لکھنؤ نسبتاً دہلی سے زیادہ انگریزی معاشرت اور تمدن سے قریب تھا (۲) ۔ جس کا اثر ساری زندگی پر پڑ رہا تھا ۔ یہ تہذیبی معاشرت میر کے لئے معاشی مصیبت سے زیادہ جان لیوا ہوتی گئی ۔ لباس کی تراش خراش اور آداب مجلس کے نئے نئے اصول میر کی تکلیف کا سبب ہوتے ہوں گے ۔ رقص و سرود کی حریص شاعر بھی عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے نواب کی تفریح طبع کا سامان بنی ہوئی تھی ۔ انشا ایسے حریف کے سامنے پژمردہ خلوت پسند اور خاموش میر کا چراغ نہ جل سکا ۔ سودا کی "چھے ہزاری" تنخواہ کے احساس نے بھی میر کو اپنی ناقدری کا احساس دلایا ہوگا ۔ میر کے "نالے" لکھنؤ دربار کی عشرتوں پر بار گزرے ہوں گے ۔ خود میر کی خودداری بد دماغی کی منزل تک پہونچی ہوئی تھی ۔ جس نے نواب کو برگشتہ کر دیا ۔ بالآخر وہ ایک گوشہ نشیں زندگی گزار کر مایوسی و ناکامی سے جان دے ۔

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے * جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
لکھنؤ دلی سے آیا یاں بھی رہتا ہے اداس * میر کو سرگشتگی نے ہے دل و حیران کیا
ہفت اقلیم ہر کلی ہے یہاں * دلی سے بھی دیار ہوتے ہیں
دلی تھی طلسمات کہ ہر جا کہ میر * ان آنکھوں سے آہ ہم نے کیا کیا دیکھا

گر کرے تنگ بھی اعانت نرے تو پھر * آتے پھنکی پہ مرا یہ خیال خام
جتنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی جانوں * معلوم ہے سوائے تیرے حاصل کلام

لکھنؤ سے انھیں اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ وہ باوقار لہجے کا توازن بھی نہ قائم رکھ سکے ۔

آباد اجڑا لکھنو چند دن سے اب ہوا * مشکل ہے اس خرابے میں آدم کا بود و باش
گو لکھنؤ ویران ہوا ہم اور آبادی میں سا * مقسوم اپنا لائینگے خلق خدا ملک خدا

---

(۲) " مقدمہ انتخاب کلام میر" از مولوی عبدالحق ۔ ص ۔ ۵۰ ۔ ۵۱

اس مختصر تذکرے سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ میر اپنی ذاتی اور سماجی زندگی میں ہر طرح ناکام رہے - ہر طرح کے مصائب ذہنی معاشی سیاسی اور تہذیبی انھیں اٹھانا پڑے - اس صورت حال میں "خیال" جس پر شاعری کا دارومدار ہوتا اور جسے ذاتی سماجی اور تاریخی عوامل اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا میر کے حصے میں آیا - ان کی پشت پر فارسی کا وہ شعری ورثہ (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) تصوف کے وسیلے سے ان کی دردمند شخصیت اور خونچکاں ماحول کے پیدا کردہ اثرات سے پوری طرح مطابقت رکھتا تھا - نتیجے کے طور پر میر کی اس بڑے شاعر نے جنم لیا جس کے تقریباً تمام گوشوں پر قنوطیت کی چھاپ ہے - میر کی ہو دل فریفتگی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ سلیمان کا ارشاد ہے -

"پاکیزہ اور عمدہ اشعار کہنے کے لئے عسرت خانہ نشیں ناکامی زندگی نہایت مفید ثابت ہوئی درد اور نازک خیالی پیدا کرنے کے لئے مایوسی اور حسرت نے ایک کافی سرمایہ بہم پہونچایا"

ممکن ہے فی زمانہ شاہ سلیمان کا غزل کی اساس کے متعلق یہ بیان کچھ زیادہ تھوس نہ ثابت ہو لیکن میر کی شاعری کے عین مطابق ہے - خود میر کا اپنے دیوان کے متعلق یہ بیان اس کا ثبوت ہے -

ہم کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب ہم نے * درد و غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

اپنے کلام کے تاثر کے متعلق بھی میر نے کہا ہے -

تکلیف درد دل کی بہت ہم نشیں نے لی * درد سخن نے میرے سبھوں کو رلا دیا

یا پھر یہ اعتراف -

دفتر لکھے ہیں میر نے دل کے الم کے یہ * یاں اپنے سوز و ساز میں وہ فرد ہو گیا

کس کس طرح سے میر نے کاٹا ہے عمر کو * اب آخر آن کے یہ رتبہ کیا

ہر ورق ہر صفحہ میں اک شعر شور انگیز ہے * عرصۂ محشر کا عرصہ ہے مرے دیوان کا

اپنی زندگی کی بربادی اور خوابوں کی شکستگی کے بیان میں میر نے جس انداز بیان اور اپنے خیال کی تفہیم کے لئے جو سہارے لئے ہیں وہ ایک طرف تو میر کی ناکامی حیات کے غماز ہیں اور دوسری طرف دلی کی سوگواری کا نقشہ پیش کرتے ہیں -

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے * یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا .....
روشن ہے اس صفی دل ویراں میں ایک داغ * اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک
دل و دلّی دونوں ہیں کچھ خراب * یہ کچھ لطف اس اجڑے نگر میں ہیں
دیدنی ہے شکستگی دل کی * کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
بے زری کا نہ کر گلہ غافل * رہ تسلّی کہ یوں مقدر تھا
زیر فلک بھلا تو روئے ہے آپ کو میر * کس کس طرح کا عالم یاں جاں ہو گیا ،

یہ اشعار صرف میر کے عہد اور صرف میر کے دل سے نکل سکتے تھے - داخلی اور خارجی زندگیوں کی شکستوں نے ان میں شعری صداقت اور تاثیر کا جادو بھر دیا ہے - شاید انھیں اشعار کو خواجہ احمد فاروقی نے "دل و دلّی کے مرثیے" کہا ہے - تشبیہات کی تلاش بھی شاعر کے مزاج پر بہت کچھ مبنی ہے - مزاج سے زیادہ مشاہدہ اس سلسلے میں شاعر کی رہنمائی کرتا ہے ان تمام اشعار کی تشبیہات (جہاں کہیں ہیں) دلّی کے کھنڈروں سے تراشی گئی ہیں - قطع نظر اس مرثیہ و ماتم کے میر کے کلیات کا شاید ہی کوئی صفحہ اور قابل ذکر غزل ایسی ہو جس میں انھوں نے آنسو کا ذکر نہ کیا ہو - کہیں رونے پر فخر کرتے ہیں کہیں رونے کی حسرت کرتے ہیں انتہا یہ ہے کہ اپنے "خیال" کی تشریح و تاثیر کے لئے دیدۂ پرنم سے تصویر میں رنگ بھرتے ہیں تشبیہات کی احتراز کرتے ہیں -

خامۂ ہستیٔ عشق اپنا مژگم گیر تھا * دامن تر کا مرے دریا ہی کا سا پھیر تھا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل * اے چشم خوں فشاں اشک ندامت کو کیا ہوا
حکر ہی میں ہے قطرۂ خوں سرشک * پلک تک گیا تو تلاطم کیا
یاں کی سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
راتوں کو رو رو صبح کیا اور دن کو جوں توں شام کیا
تے خوں ہو آنکھوں سے بہا اشک نہ ہوا داغ * اپنا یہ دل میر کسو کام نہ آیا
فیض اے ابر چشم تر سے اٹھا * آج دامن وسیع ہے اس کا
سوکھتے ہی آنسوؤں کے نور آنکھوں کا گیا
بہہ ہی جاتے ہیں دئے جس وقت سب روغن جلا
ایک ہی چشمک تھی فرصت صحبت احباب کی
دیدۂ تر ساتھ لے محفل سے پیمانہ گیا

دیدۂ محرون کی یہ نمی میرکو اس منزل پر لے گئی جہاں زندگی نے اپنی تقدیس کا لباس اتار پھینکا دنیا کی " وحشت سرائے فانی " سے انھیں نفرت ہوگئی اور وہ اس خرابے ہی کے ترک پر عبرت آموز وعظ دینے لگے - ذ ایک انقلابی کا ذہن نہ تھا - ورنہ وہ اس روتی دنیا کو قہقہہ بار دنیا بنانے کی کوشش کرتے اگر یہ کوشش بھی ان کے امکان سے باہر تھی تو وہ اس کے خواب دیکھ سکتے تھے - اور ان خوابوں کی چھاؤں میں اپنے زخموں کا مرہم ڈھونڈھ سکتے تھے - لیکن انھوں نے ایک درد مند صوفی اور دل گیر عاشق کی طرح تڑپ دنیا کی جو ڈالی - انھوں نے سنگین حقائق کا عرفان تو کیا لیکن تاریکی کا جامہ لگا کر ورنہ زندگی لاکھ دشوار سہی مسرت کی ایک کرن خوشی ایک جلوہ انھیں اگر زندگی بھر نہیں تو کم از کم کچھ دنوں سرمست رکھ سکتا تھا - مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ خود زندگی ہی ان کی نگاہوں میں کم مایہ او فانی قرار پاکر کسی امید کے لائق نہ رہی -

"کلیات" کا ہر ورق اور ہر صفحہ ان کی اس " تصدیق " کا شاہد ہے -

کل پانؤ ایک کاسۂ سر پر جو آگیا * یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر * میں بھی کبھی کسو کا سر پر غرور تھا
جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا * تنگ احوال ہے اس یوسف زندانی کا
کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات * کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا * پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا
جھونکوں کہیں ایذا نے لگا ایک ہی جلاد * تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا

۱ بے زری کا نہ کر گلہ غافل * رہ تسلی کہ یوں مقدر تھا
۲ اتنے منعم جہان سے گزرے * وقت رحلت کس کے زر تھا
۳ صاحب جاہ و شوکت اقبال * تھے ~~یہ سب کائنات زیر نگین~~
ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا * لعل و یاقوت و ہم زر و گوہر
جاہ جس قدر میسر تھا * ۵ آخر کار جب جہان سے گیا
ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

دنیا سے اس نفرت اور زندگی سے بیزاری کا سبب بہت کچھ میر کی برگشتہ تقدیر محبت بھی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میر کے کلیات میں اس رنجور روایتی عشق کے افکار ملتے ہیں جو فارسی شاعری اور تصوف کی دین ہیں لیکن چونکہ میر نے ایک حقیقی عشق کے ہاتھوں بھی ناکامی اور داغداری کی زندگی بسر کی ہے اس لئے اس کا ذکر ناگزیر ہے ۔

"عزیزہ" پر تمنا " کی محروم محبت ان کی درد مندی کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی ۔ غزل کی حدود کے اندر رہکر بھی میر نے وہ عشقیہ تصویریں بنائی ہیں جن میں ان کی محزون محبت کے سارے خطوط نظر آتے ہیں ۔

میر سے پوچھا جو میں عاشق ہو تم * ہو کے کچھ جھجکے سے شرمائے بہت
سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اس گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

چلا نہ اٹھ کے وہیں جھجکے جھجکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکارتا ہوں

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے میر حال تیرا

اسی سی میر کے قلم سے ان کے محبوب کی تصویریں بھی اتر آئی ہیں ۔ یقیناً یہ تصویریں غزل کے روایتی معشوقوں کی شکل و شباہت سے بیگانہ ہیں ۔

لبیں کروٹ ہل گئے وکان کے موتی تیرے
شرم سے سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے
ہے تکلف نقاب رخسار * کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
رخسار اس کے ہائے رے جب دیکھتے ہیں ہم
آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑوئے
تناسب پہ اعضا کے اتنا تبحتر * بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کر
نازکی اس کے لب کی کیا کہئے * پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے * اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
جگر جاکی ناکامی دنیا ہے آخر * نہیں آئے جو میر کچھ کام ہوگا

اس عشق کے ہاتھون جو قہر میرکی جان پر ٹوٹے ہین وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہین ہین - محبت کے وہ مراحل جن کا ایک لمحہ اپنی انفرادی مسرت کے لحاظ سے ابدی خوشی سے چشمک کرتا ہے میرکے کلیات مین ناپید ہے - ان کی محبت کی ہر کیفیت جان لیوا اور ہر اشارہ تمناک ہے -

اس عہد مین الہی محبت کو کیا ہوا * چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
دن نہین رات نہین صبح نہین شام نہین * وقت ملنے کا مگر داخل ایّام نہین
رات تو سارے گئی سنتے پریشان گوئی * میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو
جب نام ترا لیجئے تب آنکھ بھر آوے * اس زندگی کرنے کو کہان سے جگر آوے
ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا * دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
یون میر تو غم اپنا برسون کہا کرینگے * اب رات کم ہے سوؤ بس ہو چکی کہانی
تمھین بھی چاہئے ہے کچھ تو پاس چاہت کا * ہم اپنی اور سے یون کب تلک نبھاہ کرین
اس کے ایفائے عہد تک نہ جئے * عمر نے ہم سے بے وفائی کی
شکوہ کرون ہون بخت کا اتنے غضب نہ ہو بتان
مجھ کو خدا نخواستہ تم سے تو کچھ گلہ نہین

زمینی عشق مین انتہائے مہجوری کے ہاتھون یہ مقام بھی دیکھنا پڑتا ہے

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے * مدّعا ہم کو انتقام سے ہے
اور اس کے بعد کی یہ منزل بھی ہے -
اٹھا جو باغ سے مین بے دماغ تو نہ پھرا
ہزار مرغ گلستان مجھے پکار رہے

چمن مین پھول گل اب کے ہزار کھلتے ہین
دماغ کاش کہ اپنا بھی ٹک وفا کرتا

میرکی اس بیزاری مین تصوف کی بھی کارفرمائی ملتی ہے - گو درد کی طرح تصوّف میرکی کائنات نہین ہے - بلکہ ان کی طغیانی کی ایک موج ہے - میر ایک صوفی خاندان مین پیدا ہوئے تھے - باپ ایک صاحب کرامات بزرگ تھے - منھ بولے چچا سید امان اللہ جو خود ایک صوفی تھے اور درویش پرست بھی - میر نے انھین کے آغوش مین ابتدائی تعلیم پائی - بچپن کا

یہ نقش ان کے مزاج پر ہمیشہ تازہ رہا ۔ میرنے اپنے اشعار مین صوفیانہ تصورات کی ترجمانی کی ہے عشق تصوف کا پروردہ ہے

عشق ہی عشق ہے جہان دیکھو * سارے عالم مین بھر رہا ہے عشق

کوہکن کیا پہاڑ کاٹے گا * برتے مین زور آزما ہے عشق

کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندون نے سب کو یہین سے سلام کیا

تصوف مین دل ہی منزل ادراک ہے تمام مکاشفات روحانی اس کوزے مین بند ہین ۔ میرکا بھی ارشاد ہے ۔

دیر و حرم سے گزرے اب دل ہے گھر ہمارا
ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

طریق عشق مین ہے رہنما دل * پیمبر دل ہے قبلہ دل خدا دل

غافل تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے * وہ کنج اسی کنج خرابہ مین نہان تھا

عشق کی اس بنیادی اہمیت پر ایمان اور دل کو نقطۂ کائنات سمجھکر اس پر اتنا زور دینے کی وجہ سے کائنات و حیات سے جو بے تعلقی پیدا ہوئی اس مین "وحدۃ الوجود" کے مسئلے نے شدت پیدا کردی ۔

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا * خورشید مین بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

صورت پرست ہوتے نہین معنی آشنا * ہے عشق بے بتون کے مرا مدعا کچھ اور

اس منزل سے فنا کے راستے کھلتے ہین ۔

ہم رہروان راہ فنا دیر رہ چکے * وقفہ بسان صبح کوئی دم بہت ہے یان

بے اجل میرا ب پڑا رہنا * عشق کرنے نہ اختیار کا ش
غفلت سے ہے غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ
یاں وہ سماں ہے جسے کہ دیکھے ہے کوئی خواب

جہان سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہین بے خبر راہ ہے

زندگی مین میر جبرکے قائل ہین -

الٹی ہوگئین سب تدبیرین کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

ناحق ہم مجبورون پر تہمت ہے مختاری کی
جاہتے ہین سوآپ کرین ہین ہم کوعبث بدنام کیا

میرکے بارے مین یہ قول قابل لحاظ ہے -

"میرسب کچھ ہوتے ہوئے (۱) بھی مرنے پسند ہے - وہ دل جلا ہے -
اس کی آنکھ سے آنسو نہین تھمتے"

مرنے کی پسندیدگی اورآنسوؤن کا نہ تھمنا قنوطیت کی مختلف تعبیرین ہین -

---

(۱) "ادب اور نظریہ" ازپروفیسرآل احمد سرور - ص - ۱۵

****
****

مرزا محمد قتیل نے "چار شربت" (۱) مین کہا ہے

"مرزا محمد رفیع سودا در ریختہ پایہ ملا ظہوری دارد"

لیکن مولانا محمد حسین آزاد کا ارشاد ہے "سودا کی مشابہت ہے توانوری سے ہے کہ محاورہ کا حاکم اور قصیدہ و ہجو کا بادشاہ ہے" شمس العلماء مولوی امداد امام صاحب نے سودا کو اردو کا شیکسپیر (۲) کا لقب دیا ہے - انسائیکلو پیڈیا برٹیانیکا مین جو مضمون ہندوستانی لٹریچر پر ہے اس مین سودا کو میر تقی میر پر فضیلت دی گئی ہے - لیکن تقریباً تمام بڑے نقاد اس قول پر متفق ہین کہ سودا قصیدہ و ہجو کا بے مثل شاعر ہے - تاہم ریختے مین بھی اس کا امتیازی مقام ہے - اس ضمن یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ میر اور درد کے مقابلے مین سودا بنیادی طور پر خارج کے شاعر ہین ~~[illegible]~~ ~~[illegible]~~ تغزل کا وہ ارتعاش جو سازدل کے نازک پردون مین ظہور پاتا ہے ان تک سودا کی رسائی نہین ہے -

سودا نے غزل مین اپنے جوہر دکھائے ہین لیکن اسے اپنی تقدیر نہین بنا سکے - اس ضمن اظہار و ابلاغ کے پیمانے بھی بدل گئے - یہی وجہ ہے کہ سودا کے قصیدہ اور ہجو مین بھی قنوطیت کے اثرات ملتے ہین - شیخ چاند نے اس مسلہ پر روشنی ڈالی ہے - قصیدے کے ذکر مین رقمطراز ہین -

"پھر مدح کی صرف گریز کی ہے بعض تمہیدون مین اپنی بد نصیبی اور مظالم گردون کا ذکر کیا ہے"

سودا کی ہجویات کے باب مین لکھتا ہے

"ہمارے سامنے ادبار و انحطاط کا ہولناک منظر آجاتا ہے - اس مین شبہ نہین کہ ان نظمون کا انداز بیان بلیغ و لطیف ہے اور اس نے یاس و الم کی شدت کو کم کردیا ہے لیکن اس لطافت و بلاغت کی شگفتگی (۳) کی تہ مین یاس و الم مین موجزن ہین - دل پر ایک غیر محسوس اثر زوال و انحطاط کی یاس انگیز تصویرون کا ہوتا ہے"

سودا کی قنوطیت کا اظہار بھی ان کی ہمہ گیر طبیعت کی طرح متنوع

---

(۱) "انتخاب سودا" جعفر علی خان اثر ص ۱۸

(۲) "سودا" از شیخ چاند ص ۱۹۴

(۳) "سودا" از شیخ چاند ص ۲۶۷

ہے وہ میرکے ہمعصر ہین انھون نے اپنے عہد کے مصائب جھیلے ہین - وہ سیاسی اور تاریخی پس منظر جو میرکے ضمن مین پیش کیا جا چکا ہے ذہن مین رکھ لیا جائے تو سودا کی قنوطیت کا مسلہ واضح ہوجاتا ہے - یہ درست ہے کہ وہ ایک خوش باش ظریف اور خوش حال شاعر تھے لیکن اپنے دور کی یاسیت سے محفوظ نہ رہ سکے - شیخ چاند نے ان کی ظرافت کے ذکر مین پورا ایک باب قائم کیا - مختلف تذکرون مین ان کے لطائف درج ہین - انھون نے ایک فارغ البال زندگی گزاری ہے - دہلی کے امراء فرخ آباد کے نواب ان کے دیوان اور لکھنوی حکمران ان کے متوسلین کی فہرست مین ہین لکھنؤ مین چھ ہزار سالانہ کی جاگیر (۱) ان کی مادّی خوش حالی کی ضمانت ہے - ان کی زندگی مین کسی ایسے عشق کے آثار نہین ملتے (۲) جس نے ان کے ذہنی توازن کو برہم کیا ہو - ان کی حیات مین کوئی ایسا سانحہ نہین ملتا جس نے مجموعی طور پر ان کی افتاد طبیعت اور فلسفۂ حیات (اگر اردو کی کلاسیکی شاعری مین کوئی فلسفہ حیات ہے) پر کوئی دیرپا اور رنجور اثر ڈالا ہو - لیکن وہ خارجی عالم جہان سے انھون نے اپنے قصائد کے لئے کمتر اور ہجویات کے لئے بیشتر مواد حاصل کیا ہے ضرور مصائب و مکروہات سے پر تھا - سیاسی انتشار نے قوم کی معاشی زندگی پر جو اثر ڈالا تھا اسے شیخ چاند کے الفاظ مین ملاحظہ کیجئے -

"مالی کمزوری نے عام اخلاقی معیار بھی گھٹا دیا تھا (۳) اور مسلسل و متواتر جنگون کے دھچکون نے لوگون کے سامنے ایک خوفناک خونین منظر اور دنیا کی بے ثباتی کا ہولناک نقشہ کھڑا کر دیا تھا - اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگون کی معاشرت تمدن اور اخلاق ہر چیز پر یاس و ہراس چھا گئے اور زندگی کے ہر شعبے پر قنوطیت اور خوف و رجا کا رنگ جم گیا - علوم و فنون پر اوس پڑ گئی - اور ان کے ماہرین کے دل و دماغ خوشی و مسرت کے نور سے محروم ہو گئے - اس یاس انگیز پرفتن نازک اور انقلاب آفرین دور مین شاعرون کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا یہ بیچارے دربدر ٹھوکرین کھاتے پھرتے تھے اور ناکام و نامراد زندگی کے دن کاٹتے تھے "

---

(۱) "انتخاب سودا" اثر ص ۹

(۲) "سودا" از شیخ چاند - ص ۱۲۵

(۳) "سودا" از شیخ چاند - ص - ۱۹۳ - ۱۹۴

یہی سبب ہے کہ "قصیدہ" ایسے پر جلال اور با صطراق موضوع سخن مین بھی سودا اپنے دور کی عکاسی سے باز نہ رہ سکے۔

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے
نہین کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

کرے ہے کیفیت ایام ضائع قدر مردون کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہوکے رہ دنیا مین گر چاہے بہت جینا
ہوئے ہے فیض تنہائی سے عمر خضر صولانی

موقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی مین
کہ ہو جو تیغ با جوہر اسے عزت ہے عریانی

نکل وطن سے ہے غربت مین زور کیفیت
کہ آب بحت ہے جب تک ہے تاک مین صہبا

ہنر کو مفلسی ہرگز ضرر نہین کہ نہین
چنار کو تہیدستی سے نقص جوہر کا

جو ناتوان نہ کرین دست گیری دشمن
تو خار وخس نہ کرے شعلے کو کبھی برپا

ان اشعار مین سودا نے دلگیر اور غمگین مضامین کو تشبیہ واستعارہ کا لباس پہنا کر ان کی یاس انگیزی کو مدھم کر دیا ہے ۔ تاہم ان سے اس زوال آمادہ تمدّن کا دھندھلا سا خاکہ مترتب ہوتا ہے جو لاچاریون اور مجبوریون کو اخلاقیات کے زرکار اقوال مین سمو کر ذہنی سکون کے جھوٹے خواب دیکھنے کا عادی ہوجاتا ہے ۔

سودا نے مغل سلطنت کے ادبار کی جو تصویرین اپنی ہجویات مین پیش کی ہین ان کا جواب اردو شاعری مین مشکل ہی سے ملے گا ۔ سماج کی معاشرتی اور معاشی بد حالی کا بیان اتنے درد انگیز انداز مین بیان کیا ہے کہ شاعرانہ خیال آرائیون کا بانکپن یاس وقنوط کو زنجیر نہین پہنا پاتا ۔ تفریحی کلام کی ساری صناعیان سوز وداغ کی نقش گر نظر آتی ہین ۔ ہندوستان کی زوال یافتہ سلطنت کے امراء و وزراء کا نقشہ ملاحظہ ہو ۔

انھین ہے اپنی امارت سے اب یہی منظور
کہ ہون دو مورچھل اور ایک کاہی سمور

نہ رسم صلح کی سمجھین اور نہ جنگ کا دستور
جوان مین قاعدہ دان تھے ہوئے وہ ان سے دور
فماش ان کی طبیعت کا سب طرح سے ٹھٹھول

جو کوئی ملنے کو ان کے انھون کے گھر آیا
ملے یہ اس سے کر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس مین وہ درمیان لایا
انھون نے پھیر کے اودھر سے منھ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتین بول

یہ جتنے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈھلیتی انھون نے ہونا چار
ندان قرض مین بنیون کے دی ڈھال اور تلوار
گھرون سے اب جو نکلتے ہین لیکے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا ہے ہاتھ مین کچکول

عروس البلاد دہلی کی فلک بوس عمارتون کی ویرانی نے سودا کو جس طرح رلایا ہے اسے بھی دیکھئے -

خراب ہین وہ عمارات کیا کہون تجھ پاس
کہ جنکے دیکھے سے جاتی رہی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہوئے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنون مین کمر کمر ہے گھاس
کہین ستون پڑا ہے کہین ڈھئی مرغول

وہ امراء و عمائدین جن کے دم سے دلّی دلّی تھی اس افراتفری کے دور مین جس مفلسی اور مصیبت سے زندگی کے دن کاٹتے تھے اسے سودا نے جس درد انگیز ڈھنگ سے پیش کیا ہے ملاحظہ کیجئے -

دیا بھی وان نہین روشن تھی جس جگہ فانوس
پڑے ہین کھنڈرون مین آئینہ خانے کے مانوس
کروڑ دل پر از امید ہو گئے مایوس
گھرون سے یون نجبا کے نکل گئی ناموس
ملی نہ ڈولی انھین جو تھے صاحب جنڈول

نجیب زادیون کا ان دنون ہے یہ معمول
وہ برقعہ سر پر ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ہے ان کی کود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور ان کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجئے مول

ان بیانات سے قاری کے دل پر جو کچھ گزرتی ہے اس سے قطع نظر جو کچھ سودا نے محسوس کیا ہے اسے بھی سنئے -

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دھر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئے کہ مردم شہر
کھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

"شہرآشوب" کے اختتام پر سودا نے جہاں آرائی کے سارے طلسم توڑ کر اپنے دل کے نالے رقم کئے ہیں -

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال * جمعیت خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام * عقبی میں کوئی کہتا ہے اس کا یہ نشان ہے
سو اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے * یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گمان ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر * آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

یاس وقنوط کی یہ وہ منزل ہے جہاں دوسری دنیا کے وہ خواب جو زخمی دلوں کے چارہ گر ہوتے ہیں ٹوٹ جاتے ہیں -

"تضحیک روزگار" میں سودا نے تباہ حالی خلوں کے فوجی نظام پر جو تنقید کی ہے وہ "تفریح" سے درد مندی اور دل ریشی تک کا ایک سفر ہے - ان امراء کی داستان بربادی ہے جن کے طویلے عربی گھوڑوں سے بھرے رہتے تھے اور جو اب "ادھار پر جوتیاں گنٹھواتے" ہیں -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا * ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد * امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

اس گھوڑے پر مغل شہنشاہ کا لشکر مرہٹوں سے نبرد آزما ہونے کو نکلتا ہے -

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پانؤ سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا مین کہ جنت کی یان اب بند ھی ھے شکل
لے جوتیون کو ھاتھ مین کھوڑا بغل مین مار
دھر دھمکا وان سے لڑتا ھوا شہر کی طرف
القصہ گھر مین آن کے مین نے کیا قرار

جس شہر مین چور واچکے کوتوال کی پگڑی کا اس کی موجودگی مین بھاؤ کرتے ھون وھان کے امن وعافیت کا اندازہ لگانا مشکل نہین ھے - معاشی تباھی جرائم کی پروردہ بھی ھوتی ھے اور جرائم کا نتیجہ بھی - اس لوٹ مار سے عوام کی مادّی زندگی کے ساتھ ساتھ خواص کی ذھنی زندگی بھی متاثر ھوتی ھے - انتشار اور خلفشار سے یاس وقنوط کی منزل دور نہین ھوتی ھے - مادی مصائب کی فراوانی حیات وکائنات سے بیزاری کا بیج بوتی ھے - شدی فولاد خان کی ھجو مین مثنوی اسی بات کی دلیل ھے -

ایک دن اس نے سب سے صنزکی راہ * کہا تم ھو میرے پنٹ دلخواہ
چیز میری جواب جراؤ تم * جوکھ مین بیچنے نہ جاؤ تم
قیمت اس کی جوکچھ مشخص ھو * اوتنے کو تم اسے مجھی کو دو

چور جواب دیتے ھین -
ایک ان مین سے یہ سخن سن کر * لگا کہنے کہ اس سے کیا بہتر
کیا جب آپ تم نے یہ انصاف * مین بھی کرتا ھون عرض رکھئے معاف
آپ کے سرپر یہ جو پگڑی ھے * دو خریدار اس کے ھین درپے
دس روپئے وہ مجھے دلاتے ھین * کہئے اب آپ کیا لگاتے ھین

چورون کے ڈر سے فتنے کا جاگنا چاند کی آنکھ کا رات بھر کھلی رھنا شام کے وقت شمع سے چور کا آلگنا - اور آفتاب کی دستار کا غائب ھو جانا شاعرانہ خیال آرائی کے علاوہ اجڑتی ھوئی دلّی مین پرورش پاتی ھوئی قنوطیت کے اسباب بھی ھین -

سیاسی بربادی نے علوم وفنون کی جو رسوائی کی اس کا اندازہ حکیم محمد غوث کی ھجو سے کیا جا سکتا ھے جو اپنی جہالت کے سبب دلّی مین معالج کی حیثیت سے جلّادی کی رسم جاری کئے تھے -
ھو کے کسلمند جو وہ بے حیا * اپنے تئین آپ کرے ھے دوا
مردہ سو مولوی تابوت گر * گھیرتے ھین آن کے اس کا گھر

دین همین دهائی بصد قیل وقال * ان مین سے هرایک کرے هے سوال
اپنی دوا آپ تو طالم نه کر * میرے کسو کو کی طرف کر نظر
خوب جو کرتا هے تو اپنی دوا * اور کوئی آپ سا هم کو بتا
روز سے خاطر هو مری تاکه جمع * بهیجون تری گور پہ گل اور شمع

خارجی عالم کے اس درد انگیز مشاهدے کا قنوطی ردّ عمل سودا کے قطعات مین زیادہ واضح هے - ترک دنیا کو بادشاهت پر ترجیح دیکر فقیر کی زبان سے سودا کی نصیحت سنئے -

جب سنا یه گدا نے خسرو سے * کہا اے بادشاہ زور آور
یه تو روشن هے آفتاب کی طرح * پردیون مین نه تجھ سے ذرّہ بھر
حق تعالی نے دے کے استغناع * کہہ دیا هے صمع کسو سے نه کر

. . . . . .

اور جس وقت بادشاہ و گدا * اس جہان سے کرین گے عزم سفر
نه تو لے تاج و تخت جاوے گا * کلہ و بوریا نه مین لے کر

اس کے بعد سودا نے دنیا کے متعلق اپنا قنوطی نقطۂ نظر بالکل صاف صاف الفاظ مین پیش کردیا -

غرض اتنا گدا کی باتون نے * کیا اس بادشاہ کے دل مین اثر
پھینک کر سر سے تاج شاهی کو * گر پڑا اٹھ کے اسکے قدمون پر
چھوڑ کر بادشاهت دنیا * باندھی عقبی کی سلطنت پہ کمر

اسی خیال کو سودا نے ایک دوسرے قطعے مین شاعرانه حسن کے ساتھ پیش کیا هے -

عجب گلشن هے یه لیکن کسو سے * خبر اس کی رکھے هے ساز سے پرد
گئے یان سے وہ محبوبان رعنا * گل نورستہ آگے جن کے تھا گرد
لگامت دلکو بلبل اس چمن سے * نظر جو آج سبز آوے سو کل زرد
لب جو پر سے جسکی کھلتی هے آنکھ * حباب اٹھ جائے هے بھر کر دم سرد
لگی هے اس کی دیوارون مین وحشت * حقیقت کی هے وہ هرایک کی فرد
تماشے سے غرض اس بیوفا کے * جنھون نے موند لین آنکھین هین وہ مرد

مندرجه بالا اشعار کی سی کافی تعداد قصائد هجویات اور قطعات مین موجود هے - جن کو طوالت کی وجه سے نظرانداز کردیا گیا هے -

سودا کو اس کی متنوع طبیعت کے باعث عموماً رجائی شاعر کہا گیا ہے - خواجہ باسط کی رائے نقل کرنے کی ضرورت نہین ہے - مگر جعفر علی خان اثر کا حوالہ مناسب ہوگا - میر اور سودا کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے اثر نے کہا ہے -

"عالم خیال (۱) کی سیر مطلوب ہو یا نغمۂ ضرب کا اشتیاق ہو تو سودا کی طرف توجہ کیجئے - زندگی کے دو پہلو ہین خوشی اور غم امید اور یاس سودا کی نظر ایک پہلو پر تھی اور میر کی دوسرے پر - ایک ہنستا ہنساتا تھا دوسرا روتا رلاتا تھا - ایک Optimist تھا جو ہمیشہ ہنستا تھا دوسرا Pessimist تھا جو ہمیشہ روتا تھا "

اثر کا یہ خیال میر کی نسبت تو صحیح ہے مگر سودا پر یہ تنقید صادق نہین آتی - وہ ہمیشہ نہین ہنستا - اس کے کلام کی اچھی خاصی تعداد آنسوؤن اور نالون سے مملو ہے - اس کے مادّی اسباب کا کچھ ذکر اوپر آچکا ہے - غزل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی قنوطیت سے خاص تعلق رکھتی ہے -

"دنیا ایک (۲) ایسا مکان ہے جہان پرچھائیان بستی ہین ..... زندگی فانی و ناپائدار ہے - دنیا ایک کاروان سرا سے زیادہ نہین ..... یہی زندگی کا فلسفہ ہے .....گریہ و ماتم بجائے عیش و انبساط یاس بجائے امید ہجر و ناکامی بجائے وصل و شادی فسردگی و شکستہ حالی و حرمان مرگی .....اردو شاعری مین یہ چیز بالعموم پائی جاتی ہے - بیشتر غزل گو شاعر محبت کے ایسے ہی مرقعے پیش کرتے ہین "

ان حالات مین جب سودا نے غزل سرائی کی تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ روایات غزل سے سرتابی کی جرأت کرتا - پھر یہ مضامین اردو غزل مین فارسی سے آئے ہین - اور سودا فارسی پر قدرت کا ملہ رکھتا تھا - فارسی کلام اور "عبرت الغافلین" اس کی فارسی دانی کا ثبوت ہین - سودا کو میر کے ریختے سے ٹکرانے کی بھی ہوس تھی اس لئے بھی اس کے کلام مین قنوطی اثرات کا پیدا ہو جانا یقینی تھا - سودا کو یہ اصرار رہا ہے کہ قصیدہ کی طرح غزل مین بھی اس کی عظمت کا اعتراف کیا جائے -

---

(۱) "انتخاب سودا" از جعفر علی خان اثر - ص ۲۳

(۲) "مزامیر" (ڈاکٹر امرناتھ جھا (مقدمہ) از اثر - ص ۱۰۱

کہتے ہین وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب
ان کی خدمت مین لئے مین یہ غزل جاؤن گا

سودا کو تم سمجھتے تھے کہہ نہ سکے گا یہ غزل
آفرین ایسے وہم پر صدقے مین اس گمان کے
میرکے مقابلے کی ہوس ملاحظہ ہو
سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہونا ہے تجھکو میر سے استاد کی طرف
جب میرنے یہ سخت جواب دیا
صرف ہونا مرا مشکل ہے میراس شعر کے فن مین
یونہی سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے
تو سودا نے صرزو انداز کا سہارا لیا ہے
نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے
وہ ان صرزون سے کیا واقف وہ یہ انداز کیا جانے

اس طرح اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ سودا نے صنف غزل مین کافی محنت اورحوصلہ مندی سے اپنے رنگ طبیعت کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن سودا مضامین غزل میں کوئی اضافہ نہ کرسکا ۔ شیخ چاند نے اس مسلئے پر بھی قلم اٹھایا ہے ۔

"اگر غزلون (۱) کے دیوان کا مطالعہ کیا جائے تو ہمین اس مین پوری ایک حزنیہ داستان ملے گی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔سودا کی غزل مین حسن وعشق کا جو موضوع ہے اس کا انحصار بھی ان ہی مضامین پر ہے ۔ یہ تمام مضامین رسمی ہین جن مین سودا نے کوئی خاص وسعت اور تنوع پیدا نہین کیا ۔ اورنہ یہ ممکن تھا ۔ یہ سب فارسی کا اثر تھا ۔جس کے مقلدون کے دل ودماغ کا محور بس یہی مضامین تھے "

غزل کی طبعی قنوطیت اوراس عہد کی بد نظمی نے سودا کی غزلون مین بھی اس قسم کے اشعار پیدا کردئے ہین ۔

یہ کس کے اب صف مژگان نے دی ہے دل کو شکست
کہ اشک پھرتے ہین لوٹے بھیر سی دل مین

---

(۱) "سودا" ازشیخ چاند ۔ ص ۔ ۱۴۱ ۔ ۱۴۲

خط سمجھ اے دل نہ اس عارض کے ملک حسن مین
اتری ہے یہ فوج بہر غارت گلزار عشق

جنبش ابرو نے مارا لشکر صبر و قرار
ہووے ہے فیصل کہ جب پہنچے ہے یا شمشیر جنگ

سیر کرنا ہے خیال اس کی نگہ کا جیدھر
نظر آتے ہین ادھر کشتہ شہیدان مجھ کو

ان اشعار کے مطالب سے قطع نظر ان کے تعمیری اجزاء کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس خونچکان عہد کا پورا نقشہ نگاہ کے سامنے آجاتا ہے - اردو کے اس "رجائی شاعر" کی زندگی بھی عشق کی کھائی ہے - اس نے بھی اس زخم کی جانکاہ اور جان لیوا کیفیات کی عکاسی کی ہے -

عشق سے تو نہین ہون مین واقف * دل کو شعلہ سا کچھ لپٹا ہے

لخت جگر آنکھون سے ہر آن نکلتے ہین * یہ دل سے محبت کے ارمان نکلتے ہین

نگری آباد ہے بسے ہین گاؤن * تجھ بن اجڑی پڑی ہے اپنی ٹھاؤن

ہر آن یاس بڑھتی ہے ہر دم امید گھٹتی ہے
دن حشر کا ہے اب تو فرقت کی رات کٹتی ہے

تجھ عشق مین روز خوش نہ دیکھا * دکھ بھرتے ہی بھرتے مر گئے ہم

خبر لے جلد سودا کی وگرنہ مین یہ دیکھون ہون
سرہانے اس کے بیٹھا ہاتھ سے تو ہاتھ ملتا ہے

بھر نظر تجھکو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتین جی کی رہین جی ہی مین مرتے مرتے

اسی ناکامی نے اسے درد انگیز مضامین سے روشناس کرایا - جن مین اشک و آہ کی داستان کراہتی ہے - اور یہ مضامین اپنے مرکزی خیال اور تعمیر

دونون لحاظ سے قنوطیت کے مکمّل نمائندے ہین - کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے کلیات کے صرف "الف" ردیف سے انتخاب کئے گئے ہین -

اے زمزمہ پرداز چمن نالہ ہمارا * وہ مرغ نہ سمجھے جو تہ دام نہ آیا
گو شکل کمان خانۂ گردون ہے منقش * پر اس مین نظر گوشۂ آرام نہ آیا
آراستہ جو بزم ہوئی دور فلک مین * وان جام بجز گردش ایام نہ آیا
ہے رنگ تماشائے جہان صورت خورشید * جو صبح کو دیکھا وہ نظر شام نہ آیا
اس کا تو گلہ کیا ہے کہ بستان جہانمین * مجھ تک قدح بادۂ گلفام نہ آیا
گلہ لکھون مین اگر تری بیوفائی کا * لہو مین غرق سفینہ ہو آشنائی کا
ایک دن تجھ سے ملک اتھتے نہ دیکھا کاروان
اے حرص حاصل کچھ اس فریاد بے تاثیر کا
سیم و زر کے آگے سودا کچھ نہین انسان کی قدر
خاک ہی رہنا بھلا تھا بلکہ اس اکسیر کا
چھیڑ مت باد بہاری کہ مین ہون نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤنگا
نہ دو ترجیح اے خوبان کسی کو مجھ پہ غربت مین
زیادہ مجھ سے کوئی بیکس و ناکام کیا ہوگا

اس حرمان نصیبی کا عام اثر سودا کی طبیعت پر پڑا - اس کی زندگی میر کے مقابلے مین یقیناً خوش حال تھی مگر بحیثیت مجموعی ایک دل گیر اور رنجور زندگی تھی - یہی وجہ ہے کہ وہ بے ثباتی عالم کی تبلیغ کرتا ہے - شیخ چاند نے کہا ہے -

"اس کی نظر مین دنیا ایک ایسی تصویر تھی جو امن و اطمینان راحت و مسرت کے رنگ سے خالی تھی ..... زمانہ کے تلونات نے سودا کے دل مین دنیا کی بے اعتباری کا نہایت مستحکم یقین پیدا کر دیا تھا"

سودا کے کلام مین ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہین جن کی روشنی مین وہ دنیا سے متنفر ہے - کچھ ملاحظہ ہون -

تم کو معلوم ہے یارو چمن قدرت مین * عمر گزری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے

دنیا تمام گردش افلاک سے بنی * مٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

اے گل صبا کی طرح پھرے اس چمن میں ہم
پائی نہ بو وفا کی ترے پیرہن میں ہم
نہ دیکھا اس سوا کچھ لطف اے صبح چمن تیرا
گل ادھر لے گئے گلچین گئی روتی ادھر شبنم
اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیت دلی پہ ترے پھول ہنس چلے

اس بے ثبات دنیا کی اعتبار پر سودا نے میر کی طرح آنسو بہائے ہیں نہ صرف یہ بلکہ آنسو اور چشم پرنم سے تشبیہات اختراع کی ہیں ۔ مضامین میں نکتے پیدا کئے ہیں ۔ ملاحظہ ہو ۔

زخم کا دل کے تروتازہ ہے انگور سدا * جاری رہتا ہے مری چشم کا ناسور سدا
ایک شب آ کوئی دلسوز نہ رویا اس پر * شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا
یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھ * نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا
ابتلک اشک کا طوفان نہ ہوا تھا سو ہوا * تجھ سے اے دیدۂ گریان نہ ہوا تھا سو ہوا
خون دل چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک * موجزن تاب گریبان نہ ہوا تھا سو ہوا

قاصد اشک آ کے خبر کر گیا * قتل کوئی دل کا نگر کر گیا
اشک خونین سے ترے ہجر میں دامان میرا * بن گیا تختۂ گلزار سنایا نہ سنا
ڈرون ہوں یہ نہالۂ شہر بند ہے کرتار رونے کا
نظر آتا ہے پھر آنکھوں میں کچھ آثار رونے کا
جو مذکور اس سے کرتا ہے کوئی غمخوار رونے کا
تو کہتا ہے کہ چپ رہ ہے اسے آزار رونے کا
کبھی میں بات بن روئے نہیں کی اس سے پر ان نے
نہ پوچھا یوں سبب کیا ہے ترے ہر بار رونے کا

اس مسلسل اشکباری کے باوجود جب دنیا کے حادثات اس کی دسترس سے باہر رہے تو اپنی ناکامی اور بے ثباتی عالم نے اس کے دل و دماغ پر اپنا قبضہ جما لیا ۔ شیخ چاند کو بھی اعتراف ہے ۔

"بے ثباتی عالم کے اس یقین نے دل پر یاس و ناامیدی اور حزن و قنوطیت کا رنگ جما دیا تھا ۔ عمر کا رہوار بادپا اور زندگی کی عمارت پادر ہوا نظر آتی تھی جب کبھی شاعران تباہ کن حالات و انقلابات اور ان کے درد ناک اثرات پر نگاہ دوڑاتا ہے تو قنوطیت کا رنگ زیادہ گہرا ہو جاتا ہے "

سودا کے کلیات مین ایسے صدھا اشعار موجود ھین جن مین اس نے نفیٔ کائنات کا دم بھرا ھے اور نفیٔ حیات کا گیت گایا ھے ۔

اس گلشن ھستی مین عجب دید ھے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ھے خزان کا

ھستی سے عدم تک نفس چند کی ھے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ھے کہان کا

صد شکر کہ مرنے کا خلش اٹھ گیا دل سے
جب سے ھوئے پیدا ھم اس دن سے مرے ھین

مجھ صید ناتوان کے احوال کو نہ پوچھو * محروم زیج سے ھون مردود ھون قفس کا
وہ جوب کشتی بشکستہ ھون اس بحر مین جس کا
ڈبونا عار پانی کو جلانا ننگ آتش کا
گرد ھستی نے دی ھے دل کو شکست * آئینہ اس غبار سے ٹوٹا

اسباب جہان دل نے کیا جب نظر انداز
پوچھا جو مین کیا دیکھے ھے دیوانے کہا ھیچ
کیا قافلۂ عمر سبک رو ھے کہ جس مین
چاھے جو سنے سامعہ آواز درا ھیچ

بلبل کر اس چمن مین سمجھ کر ٹک آشیان
صیّاد لگ رھا ھے تری تاک بے طرح

کر خانۂ گردون پہ نظر چشم فنا سے
ھے مثل حباب اس کی بھی تعمیر ھوا پر

کیا گلہ صیاد سے یونھی تو گزری ھے عمر
اب اسیر دام ھین تب تھے گرفتار چمن

سمجھ کے باندھا تھا آشیان ھم رھیگا باآب و تاب گلشن
یہی کہ غنچے نے آنکھ کھولی خیال گل تھا تو خواب گلشن

کسی کی مرگ پرائے دل نہ کیجئے چشم تر ہرگز
بہت سا روئے ان کو جو اس جینے پہ مرتے ہین

جب قنوطیت کی لئے اور زیادہ تیز ہوئی تو ساری دنیا غم بدوش نظر آنے لگی - ہر طرف رنج وغم کے سیاہ بادل منڈلانے لگے - مسرت کی ایک کرن بھی نگاہون کا مقدر نہ ہوئی -

مین وہ درخت خشک ہون کہ اس باغ مین صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار مین

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہون * مین موسم بہار مین شاخ بریدہ ہون
گریان بشکل شیشہ وخندان بطرز جام * اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہون

مزاج اور حالات کی قنوطیت نے فارسی علم وحکمت سے مل جل کر سودا کو تصوّف کا خوگر بنایا - سودا صوفی ہون یا نہ ہون لیکن ان کے کلام مین صوفیانہ مسائل سلیقے اور کثرت سے نظم ہین -

وحدۃ الوجود

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا * موسی نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا

کفر کی میری تجلّی ہے نظیر شمع طور * پوجون جس جس بت کو اک نور ہے اللہ کا

سودا نگاہ دیدۂ تحقیق کے حضور * جلوہ ہر ایک ذرّے مین ہے آفتاب کا

کس رنگ مین دیکھا نہ ترے رنگ کا جلوہ * سب رنگ مین ہے تو یہ ترا سب سے بری رنگ

خواہ کعبے مین تجھے خواہ مین بتخانے مین * اتنا سمجھے ہون مرے یار کہین دیکھا ہے

مہر ہر ذرّے مین مجھکو تو نظر آتا ہے * تم بھی ٹک دیکھو تو صاحب نظران ہے کہ نہین

سودا نے قناعت کی تعلیم بھی دی ہے - جو تصوف کا اہم مسلہ ہے

ہم تو قفس مین آن کے خاموش ہو رہے * اے ہمصفیر فائدہ ناحق کے شور کا

بخش یہ دوجہان کے آتی تھی ہمت دہر * لیکن نہ یان زبان تک حرف سوال آیا

حباب آسا کیا ہے کار استغنا تمام اپنا
رکھا محروم مین قطرے سے اس دریا مین جام اپنا

خوش ہین شکستہ بالی سے ہم اپنی اس لئے
پرواز کا تو دل سے خلش دور ہو گیا

صبر و شکر

زبان ہے شکر مین قاصر شکستہ بالی کے * کہ جس نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

بیٹھ رہ سودا تسلّی دل کو دے * دربدر منت سے کیا حاصل پھرا

ترک عمل

کام آئی کوہکن کی مشقت نہ عشق مین * پتھر سے جوئے شیر کے لانے نے کیا کیا

سن رکھ کہ تیرے بازوئے ہمت سے اے فلک
ہے فقر کا مرے کہین پر زور پشت و دست

آشیان سے نہ اڑے پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پر سمجھے ہین پرے بہتر

چاہنا بزم تعیش کا ہو سنا کی ہے
دشمن دور قدح گردش افلاکی ہے

رنجور و مہجور دل اپنی ناکامیون اور محرومیون کے پر فخر ذکر سے ایک تسکین پاتے ہین - سودا نے بھی اس دامن مین پناہ ڈھونڈھی ہے اور لذّت کی تلاش کی ہے -

اے لالۂ گوفلک نے دئے تجھکو چار داغ
چھاتی مرد سراہ کہ یک دن ہزار داغ
ہلال عید سے یہ عیش ہے نہ صائم کو
جو مجھ کو یاد کی ہے تیغ آبدار خط

یون چاهتا هون داغ مین دل مین هزار ها
جس طرح باغبان کو هو گلزار کی هوس

پهوٹے وہ آنکھ جس مین نہ ذرّہ بھی نم رهے
دل جل بجھے وہ جس کے نہ همسایۂ غم رهے

قنوطیت کی وہ انتہائی منزل هے جہان شاعر کو ساری دنیا مکمل رنج کی آئینہ دار نظر آتی هے - ساری خلقت مین ایک متنفس بھی مسکراتا هوا نظر نہین آتا - سودا اس منزل مین بھی آبلہ پا هین -

مین جس کے پاس بیٹھا لگا کہنے حال دل
اپنے هی دل کے غم کی وہ لے داستان اٹھا

مین دیکھتا هون جسے هے وہ آپ هی نالان
تمھاری کیجئے کس پاس اے بتان فریاد

****
****
*****
***
*

باب پنجم (نصیر اکبرآباد)

نظیر اکبرآبادی (۱۷۳۰ء - ۱۸۳۰ء)

نظیر کی شاعری کے بارے مین ایک فاضل کا ارشاد ہے -

"نظیر کے کلام (۱) کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خوش دل اور شگفتہ مزاج رفیق مل گیا ہو - جس کو انسان اور انسانی دنیا سے محبت ہے - جو انسان کی بے قدری نہین کرتا - جو انسانی زندگی کی کم مائگی کا احساس پیدا کرکے دلون کو افسردہ نہین کرتا - جو اپنی رفاقت سے ہمارے اندر ایک تقویت پیدا کرتا ہے اور ہم کو یہ اطمینان دلاتا ہے کہ زندگی صرف دکھ درد کا نام نہین ہے "

اس بیان کا آخری فقرہ قابل لحاظ ہے - نظیر کے صد ہا اشعار اردو کی کلاسیکی شاعری کے انداز (قنوطیت) کے حامل ہین - یہ بھی صحیح ہے کہ کلیات کا کافی حصہ ایسے کلام پر مشتمل ہے جس مین رجائیت جھلکتی ہے - لیکن یہ رجائی عنصر ان کی قنوطیت پر پردہ نہین ڈالتا پروفیسر آل احمد سرور نے اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے -

"نظیر کے یہان بھرپور شوخ و شنگ چلبلی اور دیوانی زندگی ملتی ہے - مگر وہ اس زندگی کے ناچ مین بھی اس ناچ کے اختتام کو نہین بھولتے - ہم آپ اسے بھول جائین مگر عوام بھی کبھی اسے نظرانداز نہین کرتے اور نہ وہ اپنی اس سرزمین کو نظرانداز کرتے ہین جس کے سینے پر ان کی کوششون کے پھول کھلے ہین اور جسکی بہارون مین ان کا خون شامل ہے ایک دفعہ آگرے مین بے روزگاری بہت سخت تھی - سارے شہر مین سناٹا ہوگیا - نظیر نے اپنے "شہرآشوب" مین ان بے روزگارون کا ماتم کیا ہے - یہ نظم نہین اکبرآباد کی روح کی پکار ہے" (۲)

نظیر کی شاعری کے اس پہلو کی پروفیسر احتشام حسین نے اس طرح وضاحت کی ہے -

"(نظیر نے) موت ..... خدا .... نیکی .... بدی ..... فنا اور عقبی سے ڈرا کر عیش و مسرت کی تخیلی لذت بھی ہم سے چھین لی - ایک طرف وہ (۳)

---

(۱) نظیر نمبر - نگار - جنوری سنہ ۱۹۴۰ء مجنون گورکھپوری - ص - ۲۲-۲۳

(۲) "ادب اور نظریہ" از پروفیسر آل احمد سرور - ص - ۷۳ - ۷۴

(۳) تنقیدی جائزے - از پروفیسر احتشام حسین - ص - ۱۸۳

صدا بلند کرتے ہین ۔ دیکھ لے غافل چمن کو گلفشانی پھر کہان
تو دوسری طرف دنیا پرستی کے خلاف وعظ کے ذریعے سے ترک دنیا پر آمادہ کرلیتے
ہین اور بتاتے ہین کہ ہر چیز کا انجام فنا ہے ۔

سب جیتے جی کے جھگڑے ہین سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصے قضئے پاک ہوئے

کی آوازین آنے لگتی ہین ۔ اور جوانی کو جوانی کی سی زندگی کو زندگی کی سی بسر
کرنے کا جو حوصلہ ہمارے اندر پیدا ہوا تھا وہ ہم مین باقی نہین رہتا "

ان بیانات کی روشنی مین اگر نظیر کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہم اسکی
قنوطیت کو "عصری قنوطیت" کہہ سکتے ہین ۔ نظیر بالطبع رجائی تھے ۔ لیکن
اپنی رجائیت کے چراغ کو حوادث روزگار کے طوفان سے محفوظ نہ رکھ پاتے
تھے ۔

پروفیسر شہباز کے بیان کے مطابق نظیر اکبرآبادی نے پوری ایک صدی
زندہ رہ کر اس دارفانی سے سنہ ۱۸۳۰ء مین کوچ کیا ۔ اس طور پر وہ
سنہ ۱۷۳۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہون گے پروفیسر کی تحقیق کے مطابق نظیر
نے سنہ ۱۷۵۶ء کے اوائل مین احمد شاہ ابدالی کی جڑھائی کے خوف سے
دہلی کو خیرباد کہا ۔ یعنی ابتدائی عمر کے پچیس سال نظیر نے اس دہلی مین
گزارے جسکی سیاسی اور معاشی ابتری سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے ۔ نظیر
کی عمر کا بیشتر حصہ کم و بیش تین چوتھائی صدی آگرے مین گزرا جہان دہلی کے
خانمان برباد آباد ہوگئے تھے ۔ تاریخی اور نیم تاریخی کتابون کے مطالعے نے مثل
آفتاب لب بام کا احساس دلایا ہوگا ۔ آگرے پر سورجمل جات کے حملے نے دنیاوی
جاہ و حشمت کی بے ثباتی کا نقشہ پیش کردیا ہوگا اس کے علاوہ اردو شاعری پر فارسی
افکار و روایات کا تاریخی اثر موجود ہی تھا ۔ نظیر کی ابتدائی تربیت اپنے ماحول سے
بیگانہ بھی نہین رہ سکتی تھی پھر وہ صاحب نسبت ہونے کے علاوہ صاحب کرامات
سمجھے گئے ۔ ان حالات مین انکی شاعری تصوف اور قنوطیت سے کسطرح بے نیاز رہ سکتی تھی

مگر نظیر کی غزل کی قنوطیت پر بحث کرنے سے پہلے ایک بات کا ذکر ضروری
ہے ۔ مین نے نظیر کی قنوطیت کو "عصری قنوطیت" کہا ہے اسکے اسباب ہین انکی
عشقیہ زندگی مین کوئی ایسا دکھ نہین ملتا جس نے انھین مایوس کردیا ہو ایسا
کوئی حادثہ نہین ملتا جس نے ان کے امیال و عواطف پر گہرا اثر ڈالا ہو ۔

انھون نے عشق نہین کیا زندگی کے مزے لوٹے ھین - ان کے ھجرکے بیان مہ بھی وصل کی آسودگی ملتی ھے -

آتے اس کو ادھر سنا جس دم * آگئی انبساط جان کے بیچ
راہ دیکھی بہت نظیراس کی * پر نہ آیا وہ اس مکان کے بیچ
پان بھی پاندان مین بند رھے * عطربھی قید عطردان کے بیچ

اس طرح محبت کے پرنشاط تذکرون کی بھی کمی نہین ھے

دل کے لینے کا دکھکے دل مین یاس * آگیا وہ صنم ھمارے پاس
پہلے آنے سے اس کے آتی ھے * ھم کو اس زلف عنبرین کی باس
مل کے جب وہ چلا تو ھم نے کہا * کل بھی گرتم نہ آئے بے وسواس
تو یہ خاطر مین یاد رکھئے گا * ھے بندھی ایک شے ھمارے پاس
جب نظیراس نے ھم سے کھلوائی * تھی وہ کیا چیز ۰۰۰۰ ریزہ الماس

اس کے باوجود ان کے یہان یاس وحرمان سے بھرپوراشعارکی کمی نہین ھے - غزلون کے سرسری مطالعے سے بھی محبت کی کامرانی ملتی ھے

اے دل اپنی توچاہ پرمت پھول * دل برون کی نگاہ پرمت پھول
عشق کرتا ھے ھوس کو برباد * عقل کی رسم وراہ پرمت پھول
دام ھے وہ ارے کمند ھے وہ * دیکھ زلف سیاہ پرمت پھول
واہ کہہ کرجو ھے وہ ھنس دیتا * آہ اس ڈھب کی واہ پرمت پھول
گرپڑے گا نظیر کے مانند * تو زنخدان کی چاہ پرمت پھول

نظیرکا نظم سے فطری لگاؤ غزل مین قطعات بندی کا شاھد ھے - اردو کے شاید ھی کسی شاعرکے دیوان مین قطعات کی اتنی بہتات ھو - یہی وجہ ھے کہ نظیرکی غزل رمزیت سے تقریباً بیگانہ ھے - لیکن جہان کہین انھون نے غزل کے آداب کا احترام کیا ھے قنوطیت کی لے تیز ھوگئی ھے -

نہ گل اپنا نہ خاراپنا نہ ظالم باغبان اپنا
بنایا آہ کس گلشن مین ھم نے آشیان اپنا
گلی کی خاک بھی ھوکرنہ ٹھہرنے پائے
ھمین توآہ فلک یان تلک نہ دیکھ سکا

گھڑی تو دل کو پرویا گھڑی جگر چھیدا * کبھی خوشی مجھے وہ اک پلک نہ دیکھ
اب تو ذرا سا گانوں ہے بیٹی نہ دے اسے * لگتا تھا ورنہ چین کا داماد آگرا

عزیزو کیا پڑے سوتے ہو غفلت مین ذرا جاگو
جرس فریادی دارد کہ بر بندید محملہا

گو آتش گل بھڑکی ہے پر یہ نہین توفیق
پھونکے جو اسیران چمن کے قفسون کو

سنو مین خون کو تو ساتھ لے آیا ہون اور باقی
چلے آتے ہین اٹھتے بیٹھتے لخت جگر پیچھے

مرتا ہے جو محبوب کی ٹھوکر پہ نظیر آہ * پھر اس کو کبھی اور کوئی لت نہین لگتی

پکارا قاصد اشک آج فوج غم کے ہاتھون سے
ہوا تاراج پہلے شہر جان دل کا نگر پیچھے

منہ زرد آہ سرد ولب خشک وچشم تر
سچی جو دل لگی ہے تو کیا گو آہ ہے

چمک ہے درد ہے کوندن پڑی ہے ہوک اٹھتی
مرے پہلو مین کیون یارو یہ دل ہے یا کہ پھوڑا

پیش جاتی نہین ہرگز کوئی تدبیر نظیر
کام جب آن کے پڑتا ہے زبردستون سے

مندرجہ بالا اشعار میں نظیر نے اپنے دور کے حالات وحوادث اور اپنے ادبی ورثے کے مروّجہ رجحانات کی عکاسی کی ہے - ان کے کلیات مین ایسے مضامین کے اشعار کی کمی نہین - اس کے علاوہ نظیر نے بھی میر اور دوسرے شعراء کی طرح غزل مین آنسو بہائے ہین - اور اس کے مضامین مین جدّت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے - اشک افشانی اور قنوطیت مین جو ربط ہے اس پر گزشتہ صفحات مین بحث کی جا چکی ہے - یعنی آنسو زندگی اور دنیا کی بدی کے عرفان کا دوسرا نام ہے - اور یہ عرفان قنوطیت تک پہنچاتا ہے - کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے -

لگی تھی آگ جگر مین بجھائی اشکون نے * اگر یہ اشک نہ ہوتے تو کیا ٹھکانا تھا
تھما نہ اشک نہ نیند آئی نا پلک جھپکی * بسا ہے جب سے وہ خانہ خراب آنکھونمین
نہ دنکو چین نہ راتون کو خواب آنکھونمین * پھر آرہی ہے ترے غم سے آب آنکھونمین
تمھارے ہاتھ سے کل ہم تو رولئے صاحب * جگر کے داغ جو دھوئے تھے دھولئے صاحب

مری اس چشم تر سے ابر باران کو ہے کیا نسبت
کہ وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے برساتی

سرشک چشم سے موتی بہت پروئے گئے * ملے مگر یہ داغ جگر کے نہ ہم سے دھوئے گئے
مثال شمع کے جھٹ پٹ ٹپک پڑے آنسو * سنا جو شوخ کے منہ سے کلام رخصت کا
کھول دی چاہ دیدۂ تر نے * یاں نہ لازم پلک بھگونا تھا
اور جو ایسا ہی تھا تو گوہر اشک * ہٹ کے اغیار سے پرونا تھا
جون ملی چشم ترکف پا سے * وہیں واں آبلے کا ہونا تھا
اشک تھا گرم تر نظیر اسے * کچھ دم سرد سے سمونا تھا
برنگ اشک کبھی گر کے ہم نہ سنبھلے آہ * یہی کہا کئے جی میں کہ اب سنبھلتے ہیں
دل ٹوٹا نظیر اب تو دو چار برس رو کر * اس قصر شکستہ کی تعمیر ہے اور میں ہوں
ہمارے قطرۂ اشک اس کی سرد مہری سے * کسی زمانے میں موتی تھے اب تو اولے ہیں

ایسے بہت سے اشعار کلیات میں بکھرے پڑے ہیں جن سے زندگی کی نامرادی اور محبت کی درد مندی کا پتہ ملتا ہے جس نے نظیر کو تصوّف سے قریب کر دیا ۔ ہندو جاگیردار خاندانوں میں مسلمی نے انہیں ہندو نظام فکر و مذہب سے روشناس کرایا ۔ یہ آشنائی نظیر کو ان مقامات پر لے گئی جہاں سے دنیا اور زندگی کے دکھ درد اس لئے ہیچ نظر آتے ہیں کہ خود یہ زندگی اور دنیا ہیچ ہے ۔

وحدۃالوجود اور ہمہ اوست کے مسائل نے بیزاری اور جھنجھلاہٹ کے بجائے ان کے لہجے کو صوفیانہ اور مصلحانہ سنجیدگی عطا کی ۔ انھوں نے بھی تصوّف کے دوسرے علمبرداروں کی طرح ترک دنیا کا پیغام دیا ۔ وحدۃالوجود اور ہمہ اوست سے متعلق چند شعر سنئے ۔

وحدۃالوجود

یہ کچھ بہروپ پن دیکھو کہ بن کر شکل دانے کی
بکھرنا سبز ہونا لہلہانا پھر سمٹ جانا
یہ یکتائی یہ یک رنگی تس اوپر یہ قیامت ہے
نہ کم ہونا نہ بڑھنا اور ہزاروں گھٹ میں بٹ جانا
پھر کے نگاہ چار سو ٹھہری اس کے روبرو
اس نے میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

فقط جو ذات کے ہین دل سے چاہنے والے * انھین کرشمہ و ناز و ادا سے کیا مطلب
جدھر کو دیکھو ادھر آپ ہی جھمکتا ہے * مزا پڑے نہ اسے کیونکہ شیش محلون کا

تصوّف کی اس منزل کے بعد معرفت نفس کی راہ پھوٹتی ہے - جہان انسانی مجبوریون اور ناکامیون پر عزم و ثبات کے حوصلے پست ہو جاتے ہین -

جو تو کہتا ہے اسے غافل یہ تیرا ہے یہ میرا ہے
یہ جس کا ہے اس کا ہے نہ تیرا ہے نہ میرا ہے
تری کیا ذات ہے کیا نام ہے کیا کام کرتا ہے
مسافر بے وطن ہے یا ترا اس جا پہ ڈیرا ہے
یہ چیزین تو غرض کیا ہین تو اپنا ہی نہین مالک
تجھے اوپر خبر نادان یہ کس غفلت نے گھیرا ہے

معرفت نفس

تو کچّے سوت کا دھاگا عبث بل پیچ کھاتا ہے
یہ سب وہم غلط اور قصور فہم تیرا ہے
نظیر اللّٰہ اللّٰہ اس جہان مین دم غنیمت ہے
کہان ہم اور کہان پھر تم کہ یہ دم کا بسیرا ہے

زندگی پر ماتم

خواب عدم مین ہم تو فراغت سے اے نظیر
سوتے تھے عشق نے آکر مگر جگا دیا
عشق مین اس گوہر نایاب کے
آج تلک خشک ہین دریا کے لب

مسلۂ جبر

مین ہون پتنگ کاغذی ڈور ہے اس کے ہات مین
چاہا ادھر گھٹا لیا چاہا ادھر بڑھا دیا
محو تدبیر ہین ہم لیک خدا ہی جانے
کون سا گل ہے پس پردۂ تقدیر کھلا

سلوک اور معرفت کی ان راہون مین تاریخی جبریّت نے دنیا کی ساری عشرتون اور کلفتون کا نقاب اتار کر موت کا منھ کھول دیا - دنیا اور زندگی کی رہی سہی قیمت بھی گر گئی -

کل جو گزرے تھے ہم اک کہنہ مزارستان مین
وان عجب طور کی عبرت سے ہم آغوش ہوئے

یعنی اک شخص یہ بولا کئی یان عظم دھن
سخت بوسیدہ نگہ سے مری ہم دوش ہوئے
مجھ سے یون کہنے لگے جن کے ہین یہ عظم ومیم
وہ بصد عیش وطرب خوش خوروخوش پوش ہوئے
رات دن فرصت وعشرت مین بسر کرتے تھے
کبھی گلشن مین پھرے اور کبھی مئے نوش ہوئے
ایک دم چرخ حسد پیشہ سے مانند چراغ
دیر پل بھر نہ لگی آہ جو خاموش ہوئے
اب کوئی نام ونشان سے نہین آگاہ
ایسے وہ خاطر عالم سے فراموش ہوئے

عام انسانون پر موت کی سفاک گرفت کے ساتھ ساتھ جب وہ شہریارون اور کجکلاہون کے پیرون مین بھی اسی زنجیر کے زخم دیکھتا ہے تو دنیاوی جاہ وجلال کی کوئی وقعت نظر مین باقی نہین رہ جاتی -

یہ جواہر خانۂ دنیا جو ہے باآب وتاب * اہل صورت کا ہے دریا اہل معنی کا سراب
وہ عظیم الشان مکان دیتی تھین جنکی رفعتیں * ہنسکے طاق آسمان کو طاق ابرو سے جواب
انمین تھے وہ صاحب ثروت جنھین کہتے تھے لوگ * کیقباد وقیصر وکیخسرو وافراسیاب
ہر طرف فوج بتان ہر سو ہجوم گلرخان * جنکے عارض رنج ماہ ورشک روئے آفتاب
جو وہ سب جاتے رہے دم مین حباب آسا مگر * رہ گئے عبرت فزاوہ قصر ویران وخراب
ہین اگر دو خشت باہم تو لب افسوس ہین * اور جو کوئی طاق ہے تو صورت چشم پر آب

اسی عبرت وعرفان کے ہاتھون وہ نفی کائنات کے قائل ہوجاتے ہین -

دنیا ہے ایک نگار فریبندۂ جلوہ گر * الفت مین اسکی کچھ نہین جز کلفت وضرر
لینے کو نقد عمر کے شیرین ہے مثل قند * جب لے چکے تو ہوتی ہے حنظل سے تلخ تر
جو اس سے دل لگانے مین آخر ہو منفعل * ملتے ہین اپنے دست تاسف بیک دگر
ہمی اس نگار خانے کو تو بھی اسی نمط * سیر مسافرانہ کر اور اس سے درگزر

نظیر کی قنوطی لئے ان کی نظمون مین زیادہ واضح ہے - نظم تفصیلی تعمیر اور تنظیم پر زور دیتی ہے - غزل کے فن مین ان عناصر کا فروغ نہین - نظیر نظم کے لئے پیدا ہوئے تھے - ان کی نظمین جوش بیان اور قدرت زبان

کے علاوہ اپنے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے مکمل ہین ۔ کلیات مین ایسی نظمون کا ایک بڑا سلسلہ موجود ہے جو قنوطی اثرات و نتائج سے مملو ہین ۔ لیکن ایسی نظمین بھی ہین جو اپنے مواد کے لحاظ سے رجائی ہین مگر ان مین قنوطیت کی رنگ آمیزی نظر آتی ہے ۔ "کلمۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" مین نظیر نے کلمے کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے جو تصویرین پیش کی ہین ان مین قنوطیت کا رنگ جھلکتا ہے ۔

اس کلمے نے عزرائیل کی ہیبت کو ٹالا ہے * اس کلمے نے تنگی کو لحد کی کھولڈالا ہے
پڑے گا قبر کا تجھپر میان وہ دن جو کالا ہے * یہی کلمہ ترا وان بھی اندھیرے کا اجالا ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد کا

میان جب پلصراط اوپر تو اپنا پیر ڈالے گا * تو وہ تلوار کی ہو دھار تیرا پانؤن کھا لیگا
سوا نیزے کے اوپر جب کہ ہوگا آفتاب آیا * ہر اک گرمی کی تابش سے پھریگا سخت گھبرا
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد کا

منقبت حضرت علی علیہ السلام مین نظیر نے ان کی شفاعت کا مژدہ سنا کر قبر و قیامت کی مصیبتون کا ذکر چھیڑ دیا ہے ۔

کہا اس شاہ نے روز قیامت مین جو آؤنگا * وہان عرصات مین اپنے محبّونکو جو پاؤنگا
کھڑا ہو عرش کے آگے سبھونکو بخشواؤنگا * پلا کر جام کوثر سبکو جنت مین پہونچواؤنگا
علی کے دوستو سنلو شفاعت اس کو کہتے ہین

عید کے نشاط آگین موضوع پر نظیر کا رنگ دیکھئے ۔

عید ۔

یون لب سے نکلے ہے اب بار بار آہ * کرتا ہے جسطرح کہ دل بیقرار آہ
عالم نے کیا ہی عیش کی لوٹی بہار آہ * ہم سے تو آج بھی نہ ملا وہ نگار آہ
ہم عید کے بھی دن رہے امیدوار آہ

"ہولی" مین نظیر نے انتہائی جوش بیان کے ساتھ لذّت پرستی کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن اگر اس کے بندون کا تجزیہ کیا جائے تو اس لذّت کے نیچے قنوطیت کی پرچھائی نظر آئے گی ۔

یہ وقت خوشی کا ہے مت کام رکھو رم سے * لے رنگ گلال اے جان اور نازکی خم جم سے

ہنس ہنس کے بہم لپٹین اس عیش کے عالم سے
ہم چھوڑ کہین تم سے اور تم چھوڑ کہو ہم سے
ہولی مین یہی دھومین لگتی ہین بہت بھلیان

یہان "یہ وقت خوشی کا ہے" کا ٹکڑا ایک طرف تو پچھلے غمون کی کہانی کہتا ہے اور دوسری طرف اپنے اوپر خوشی لاد لینے کی آرزومندی کا اظہار کرتا ہے - پورے بند مین جستجو و آرزو کی گرمی بیان ان کی محرومی کی غماز ہے - "بڑھاپا" کے تقریباً تمام اشعار عمر رفتہ کے سوگ مین ڈوبے ہوئے ہین -

جب عیش کے مہمان تھے اب غم کے ہوئے ضیف
اب خون جگر کھاتے ہین تب پیتے تھے سو کیف
جب اینٹھ کے چلتے تھے سپر باندھ اٹھا سیف
اب ٹیک کے لاٹھی کے تئین چلتے ہین صد حیف
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

تھے جیسے جوانی کے چڑھے زور مین سر یخ
ویسے ہی بڑھاپے کی پڑی آن کے اب یخ
نکلا ہوا تن سوکھ روئی بال رگین یخ
حلوا ہوئے چرخا ہوئے لپسی ہوئے یخ
سب چیز کو ہوتا ہے برا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

"بہار" پر جو نظم ہے اس مین بھی نظیر نے طربیہ تصویرین بنا بنا کر بگاڑ دی ہین -

بہار
جب پہ خوشی کے در کھلے رنج و تعب کے حوصلے
شوخ کے ناز چلبلے بوسون کے تھے معاملے
اس مین رقیب دم نہ لے بولا ہی کر کے اشغلے
باندھو کمر مسافرو کوچ کرین ہین قافلے
صبح کے ڈر سے ہڑبڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا مین آگئے مفت بہار لٹ گئی

"چاندنی" اور "جھڑی" جیسی نشاطیہ نظمون کی تان بھی حسرت و یاس پر ٹوٹتی ہے -

(چاندنی)

کیا ہی مزے سے عیش کی رات تھین کامیابیان
چھوٹی تھین ماہتاب کی نہرون مین ماہتابیان
آگے جنی تھین صف بصف مئے کی کئی گلابیان
ہم کو نشون کی مستیان یارکو نیم خوابیان
سینون مین اضطرابیان آنکھون مین بے حجابیان
اس مین فلک نے رشک سے ڈالین یہ کچھ خرابیان
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یاربغل سے اٹھ گیا جی ہی مین جی کی رہ گئی

"جھڑی"

چارطرف سے ابرکی واہ اٹھی تھی کیا گھٹا
بجلی کی جگمگاہٹین رعد رہا تھا گڑگڑا
برسے تھا مینھ بھی جھوم جھوم چھاجون امڑامڑپڑا
جھوکے ہوا کے چل رہے یاربغل مین لوٹتا
ہم بھی ہوا کی لہرمین پیتے تھے مئے بڑھا بڑھا
دیکھ ہمین اس عیش مین سینہ فلک کا پھٹ گیا
ابرکھلا ہوا کھٹی بوندین تھمین سحر ہوئی
پہلو سے یاراٹھ گیا سب وہ بہار بہ گئی

بعض اوقات قنوطیت کے سبب سے نظیرطربیہ نظمون کا حق ادا نہین کرسکے ہین - "برسات کی بہارین" کا موضوع اور مخمّس کا آخری مصرعہ -

کیا کیا مچی ہین یارو برسات کی بہارین

تقاضا کرتا ہے کہ ساری نظم نشاطیہ ہو - اکثرجگہ نظیرنے اس احساس کا احترام کیا ہے لیکن بے پناہ نہین بنا سکے ہین -

"برسات کی بہارین" -

اب برہنون کے اوپر ہے سخت بیقراری * ہربوند مارتی ہے سینے اپرکٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہین باری باری * ہے ہے نہ لی پیانے ابکے بھی سدھ ہماری
کیا کیا مچی ہین یارون برسات کی بہارین

کتنون نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی * میلے کچیلے کپڑے آنکھین بھی ڈبڈبائی
نے گھرمین جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی * پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہین یارو برسات کی بہارین

اب تک ان نظمون مین سے کچھ کی قنوطیت کی طرف اشارہ کیا گیا ھے جو اپنے موضوع اور انداز بیان کے لحاظ سے رجائی ھین - کلیات مین ایسی نظمون کا پورا ایک باب ھے جو اپنے خیال اور بیان دونون اعتبار سے کلیتہً قنوطی ھین -

آگرے مین قحط پڑا - مفلس اور بے روزگاری نے گھرون مین جھاڑو پھیر دی - تمام پیشون کے کاروبار بند ھوگئے - نجیبون کی آبرو لٹ گئی - غریبون کی زندگی اجیرن ھوگئی - نظیر نے شاعر کے تاریخی منصب کا احترام کیا - پورے شہر و سماج کے تمام درد و داغ اپنے الفاظ مین قید کرلئے - ساری نظم پر مایوسی کی گھٹا چھائی ھے خوشی کرن کا دور دور نشان نہین - نظم کا ھر بند سودا کے "شہر آشوب" اور میر کے مرثیون کی یاد دلاتا ھے -

بے روزگاری نے یہ دکھائی ھے مفلس * کوٹھے کی چھت نہین ھے یہ چھائی ھے مفلس
دیوار و در کے بیچ سمائی ھے مفلس * ھر گھر مین اسطرح سے پھر آئی ھے مفلس
پانی کا ٹوٹ جاوے جو ایک بار بند

صرّاف بنئے جوھری اور سیٹھ ساھوکار * دیتے تھے سبکو نقد سو کھاتے ھین اب ادھار
بازار مین اڑے ھے پڑی خاک بیشمار * بیٹھے ھین یون دکانون پہ اپنی دوکاندار
جیسے کہ جور بیٹھے ھون قیدی قطار بند

کیا چھوٹے کام والے وہ کیا پیشہ ور نجیب * روزی کے آج ھاتھ سے عاجز ھین سب غریب
ھوتی ھے بیٹھے بیٹھے جب آشام عن قریب * اٹھتے ھین سب دکان سے کہہ کرکے یا نصیب
قسمت ھماری ھوگئی بے اختیار بند

نظیر نے دنیا کو دھوکے کی ٹٹی قرار دے کر سارے بیانات کی تصدیق کردی جو زندگی کے بارے مین ان کے پیشرو کہہ گئے تھے -

"دنیا دھوکے کی ٹٹی ھے"

کوئی نام خریدے ھنس ھنس کر کوئی تخت کھڑا بنواتا ھے
کوئی کپڑے رنگے پہنے ھے کوئی گدڑی پہنے جاتا ھے
کوئی بھائی باپ چچا نانا کوئی دادا پوتا کہاتا ھے
جب دیکھا خوب تو آخر کونسے رشتہ ھے نے ناتا ھے
غل شور ببولا آگہ ھوا اور کیچڑ پانی مٹی ھے
ھم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ھے

اب کس کا رنگ برا کہئے اور کس کا روپ بھلا کہئے
اک دم کی پیٹھ لگی ہے یہ انبوہ مزا چرچا کہئے
یہ سیر تماشے دیکھ نظیر اب جا کہئے بے جا کہئے
کچھ بات نہیں بن آتی ہے چپ چاپ پہیلی کیا کہئے
غل شور بگولا آگ ہوا اور کیچڑ پانی مٹی ہے
ہم دیکھ چکے اس دنیا کو یہ دھوکے کی سی ٹٹی ہے

دنیا کے بارے میں نظیر کا یہ نقطہ نظر بہت کچھ نظیر کے صوفیانہ مسلک کا رہین منت تھا ۔ عہد نظیر کے کسی بھی بڑے شاعر کو لے لیجئے ۔ حاتم مظہر آبرو آرزو سودا میر سب کسی نہ کسی خانوادے سے منسلک ملتے ہیں ۔ نظیر تو خود صاحب ہدایت تھے ۔ خلیفہ گلزار علی (۱) ان کی ولایت کے قائل تھے ۔ اس قیاس کا ثبوت ان کے کلیات کی متعدّد نظمیں ہیں "فنا" تصوف کا اہم باب ہے نظیر اس دروازے سے بھی گزرے ہیں ۔

"فنا"

اس دنیا کے دھن دولت میں شاہ سلیمان جاہ چلے
یاں ٹھہرے میر وزیر اعظم یا راجہ بن کر آہ چلے
منھ دیکھ اجل کے لشکر کا تب لے کر گھر کی راہ چلے
نے ہاتھی گھوڑے سنگ چلے نے تخت چھتر ہمراہ چلے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضئے پاک ہوئے

سب چھوڑ فقیر آزاد ہوئے یا دنیا داری لوٹ گئے
یا شال دوشالے اوڑھ پھرے یا اجلے پیوند کوٹ گئے
سنگ اور فضا کے سونٹے نے سر دونوں کے جب پھوٹ گئے
یاں سیلی تاگے ٹوٹ گئے واں جالے تن کے چھوٹ گئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا سب قصّے قضئے پاک ہوئے

"فنا" کے عنوان سے دوسری نظم بھی اسی قنوطیت کی صدائے بازگشت ہے ۔

"فنا"

ہے آدمی کی ذات کا اس جا بڑا ظہور * لے عرش تا بفرش چمکتا ہے جسکا نور

---

(۱) زندگانئ بے نظیر ۔ از پروفیسر شہباز ۔ ص ۔ ۱۸۵

نزرے ہے انکی قبرہ جب وحش اور طیور * رو رو بہی کہے ہے ہر اک قبر کے حضور
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

اسی راہبانہ صوفیت کا عکس ان کی نظم "تنبیہ الغافلین" مین ملتا ہے -

"تنبیہ الغافلین"

جہان ہے جب تلک یا سینکڑون شادی وغم ہون گے
ہزارون عاشق جانباز اور صنم ہون گے
کنارو بوس اور عیش و طرب بھی دم بدم ہون گے
مگر جتنے یہ اپنی صف کے ہین یہ سب عدم ہون گے
نہ یہ جہلین نہ یہ دھومین نہ یہ جرچے بہم ہونگے
میان اک دن وہ آوے گا نہ تم ہوگے نہ ہم ہون گے

دنیا دارون کی دنیاداری پر نظیر نے آنسو بہائے ہین - "خواب غفلت" مین انہین آنسوؤن کا سراغ ملتا ہے -

"خواب غفلت"

جب پالکی مین جڑھ کے چلا آپکا بدن * کلمہ نقیب پڑھتے چلے ساتھ کر پہبن
تو بھی یہ کہتے تھے کہ ہوا کون بے وطن * جب آئے اس گڑھے مین نظیر اور ہزار من
اوپر سے آکے خاک پڑی تب خبر ہوئی

جب دنیا ہیچ ہے اور اس کا انجام موت ہے تو اس کے دکھ بھی سکھ کی طرح عارضی ہین - انسان کے بس مین کیا ہے - تدبیر تقدیر کے سمندر کا ایک تنکا ہے - "کوئی امید بر نہین آتی" اس خون آرزو سے نظیر نے "توکل" کے نقوش تیار کئے ہین - نظیر نے اپنی زندگی مین اس توکل پر عمل بھی کیا "دربار اودھ" کی دعوت اسی توکل سے رد کردی - اور معیشت کی فکرون سے منھ موڑلیا - ممکن ہے نظیر کی شخصیت مین اسی "توکل" نے راستی پیدا کی ہو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اس کے چکر مین قومون کا اقبال گہٹتا جاتا ہے -

"توکل"

اے دل کہین تو جا کے نہ اپنی زبان ہلائے * اور درد اپنے دلکا کسی کو تو مت سنائے
مانگ اس سے جسکے ہاتھ سے تو پیٹ بھر کھائے * مشہور یہ مثل ہے کہون کیا مین تجھسے
غیر از خدا کے کس مین ہے قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے

توکل سماجی عوامل کا
قوت ہوتی جاتی ہے ۔ نظیر خود ا
کہلاتے ہین ۔ نظیر خود
مین ارشاد کر

ں رفتار مدھم کر دیتا ہے ۔ رہبانیت سے اس کی
ں وتجرید کے شگوفے پھوٹتے ہین اورقنوطیت کے چمن
ں کے شاھد ہین ۔ اپنی نظم "توکل ترک وتجرید"
رتے ہے ۔

ے صورتین جو دیکھے ہے مت انسے دل لگا * بڑین ہین سوتیان انہین اے یار مت جگا
شجرہ کلاہ پھینک اڑادے جھگا ۔ ۔ ۔ ۔ تگا * آگے کو چھوڑناتھ نہ پیچھے کو رکھ پگا
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یان کسی سے میل
یان تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل
یہ الفتین کہ ساتھ ترے آٹھ پہر ۔ ۔ ۔ ہین * یہ الفتین نہین ہین مری جان قہر ہین
جتنے یہ شہر دیکھے ہین جادو کے شہر ہین * جتنی مٹھائیان ہین مری جان زہر ہین
گر ہے فقیر تو تو نہ رکھ یان کسی سے میل
یان تونبڑی نہ بیل پڑا اپنے سر پہ کھیل

کلیات نظیر کی بہت سی نظمین ایسے ہی معانی ومطالب کی حامل ہین
ہین سہواً نظرانداز کیا گیا ہے مثلاً ۔

دنیا مین اپنا جی کوئی بہلا کے مرگیا
کی اصل مین دلبر نے عنایات تو پھر کیا
ین استغنا ۔ گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو کیا
کے مراتب قابل اعتبار نہین ۔ گر بادشہ ہو کر عمل ملکون ہوا تو کیا ہوا
ب دنیا محض بے ثبات ہین ۔ زر کی جو محبت تجھے پڑ جائے گی بابا
ین کی صدا ۔ بٹ مارا جل کا آپہونچا ٹک اس کو دیکھ ڈرو بابا
ون کی صدا ۔ ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میان مت دیس بدیس پھرے مارا
ارہ نامہ ۔ یہ تن جو ہے ہر اک کے اتارے کا جھونپڑا
ھونپڑا ۔ دنیا مین کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا
ے نام اللہ کا ۔ کیون عبث بیٹھا ہے ڈالے کان مین غفلت کا تیل
شقون کی بنگ ۔ جو فقر مین پورے ہین وہ ہر حال مین خوش ہین
سلیم ورضا ۔ لے آئینے کو ہاتھ مین اور بار بار دیکھ
آئینہ ۔ ہے دنیا جسکا ناؤن میان یہ اورطرح کی بستی ہے
دنیا دار المکافات ہے ۔

****
****
*****
***

باب شعر (غالب وظفر)

میر سودا اور درد کے بعد اردو شاعری نے غالب مومن ذوق اور ظفر کے عناصر اربعہ پر اپنی عظمت کی بنیادین استوار کین - دھلی تباہ حال تھی - فن کا فروغ اور شاعری کا رکھ رکھاؤ قلعہ معلے کے دم سے تھا جس کی حالت بد سے بد تر ہوتی جا رہی تھی -

لال قلعے سے تخت طاؤس ہجرت کر چکا تھا - برطانوی اقتدار کے سیلاب مین اس کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہ تھی - شہنشاہ سیاسی برتری کے عرش سے اتر کر دم توڑتی ہوئی تہذیب کی علامت بن چکا تھا - برطانوی ریزیڈنٹ کی محکوم دلّی دل سے شہنشاہ کی محبت کا دم بھرتی تھی اس کے تمدن کی ہر بساط پر وہی صدر مجلس تھا - دھلوی تہذیب پر شاعری کا غلبہ بہت قلعۂ معلّی کے زیر اثر تھا - اور قلعہ مادّی عشرتون سے خالی تھا - اس لئے شعری فکر کا وہ قنوطی سرمایہ جو اس نسل کے ورثے مین آیا اپنی آب و تاب نہ کھو سکا - جس طرح لکھنؤ کے نو دولت دربار سے برستے ہوئے ہن مین اس کا رنگ کمھلا گیا تھا - اور ایک سستی لذتیت اس کی جانشین ہو گئی تھی - لال قلعے نے بہادر شاہ ظفر کے علاوہ کوئی ایسا نامور شاعر نہ پیدا کیا جس کی اہمیت تسلیم کی جاتی ورنہ اس کے کلام سے بھی اس خون کی بو آتی جسے ظفر کا کلیات رنگین ہے -

اس کے باوجود مومن کی شاعری پر قنوطیت کی چھاپ نہین ہے - ان کے بیشتر اشعار قنوطیت کی نفی کرتے ہین - اسی قنوطیت اردو شاعری کے مزاج مین داخل ہے - اقبال کے علاوہ اردو کے ہر شاعر کے یہان آسانی سے مل جاتی ہے - اس لئے زیادہ لایق اعتنا نہین ہے -

ذوق سپاہی کے بیٹے تھے - ایک سپاہی کا بیٹا زندگی کی مادّی کامرانیون اور سماجی توقیر کا جو بڑے سے بڑا خواب دیکھ سکتا تھا اس کی بڑی سے بڑی تعبیر ذوق کے نصیب مین آئی - اکبر شاہ نے خاقانی ہند کا خطاب دیا - ظفر نے ملک الشعرا بنایا - سو (۱۰۰) روپیے ماہوار کی تنخواہ دی - جاگیر پائی ہاتھی اور خطاب ملا توقیر بادشاہ وقت کی استادی کے علاوہ شاعر وقت غالب سے کامیاب رقابت تک دے ڈالی - عشق و محبت کے داغ سے ان کا سینہ خالی تھا تاہم روائیتی قنوطی مضامین بولتے ہوئے محاورے اور سجے ہوئے روزمرّہ مین ان کے دیوان کے ہر ورق پر موجود ہین - ذوق کے ایسے

اشعار روایتی قنوطیت کی مثال ہین -

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مرجائین گے
مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائین گے

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے * اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یہ اقامت ہمین پیغام سفر دیتی ہے * زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

ہنگامہ گرم ہستئی نا پایدار کا * چشمک ہے برق کی کہ تبسّم شرار کا

قبل اس کے کہ ظفر کی قنوطیت پر اظہار خیال کیا جائے مومن کا ذکر مناسب ہے (۱)

قنوطیت کی تعمیر مین فکری ورثے کا خون اور عصری تاریخ کی دلدل ناکی کا ہاتھ ہوتا ہے - لیکن یہ کلیّہ نہین ہے ورنہ میر کے عہد مین جرأت اور اقبال کے دور مین فانی نہ پیدا ہوتے - قنوطیت شاعر کی ذاتی زندگی اور افتاد طبع سے زیادہ نزدیک ہوتی ہے - انسان خود غرض بھی ہوتا ہے - دوسرون کے دکھ دور کرنے کے لئے اپنا سکھ نہین چھوڑتا - مومن کی شاعری کے شباب مین دلّی انگریزون کی حفاظت مین تھی - انگریزون کا یہ اقتدار اہل قلعہ کے لئے منحوس ہی کیون نہ ثابت ہوا ہو مگر دلّی مین عام طور پر امن تھا - مومن اسودہ حال تھے - بہترین قصیدہ گو شاعرون کی صف مین شمار ہوتا تھا مگر صلے کی پروا مین قصیدہ نہ کہا - جہان تک جذباتی زندگی کا سوال ہے وہ "شاہد باز" تھے عاشق نہ تھے - کسی کے ہجر مین زندگی ان پر حرام نہ ہوتی تھی - امداد امام اثر نے انھین کوچہ گرد کہا ہے - معاملہ بندی کے بیان مین "وصل" کی تکرار ان کی عشقیہ کامرانی کی ضمانت ہے - شاعری شطرنج کی طرح ان کا ایک شغل تھی اور اس مین بھی ندرت ادا پر جان دیتے تھے - اس لئے مضمون کی دل برشتگی پیچ در پیچ حجابون مین قید ہو جاتی تھی - اگر تجزیہ کیا جائے تو حقیقت سامنے آجاتی ہے - صرف چند اشعار ملاحظہ ہون -

دم کو ہمارے سینے مین اک دم نہو قرار * یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن مین ہے

افسردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطف * لپٹا پڑا ہے مردہ ساگویا کفن کے ساتھ

(۱) غالب پر تفصیل سے بحث ہوگی -

بہادر شاہ ظفر ہندوستانی تاریخ مین ایک المیہ کے بد نصیب کردار کی حیثیت رکھتے ہین - خواجہ حسن نظامی نے ان پرکتابون کی کتابین لکھ ڈالی ہین - تاریخ مین ان کا درد ناکہ ذکرعام ہے - تاہم شاعری مین قنوطیت کی تلاش کرتے وقت ان کی زندگی کے اہم واقعات کا بیان ناگزیر ہے -

ظفرسنہ ۱۷۷۲ء مین پیدا ہوئے - ہوش سنبھالا تو لال قلعے کے رمنون مین غلام قادرخان نے بوڑھے شاہ عالم کی آنکھین نکال کرپھینک دین - اگرجہانگیروعالمگیرکا اقبال بھی ظفرکے نصیب مین آجاتا توبھی صرف اس ایک واقعے کی یاد ان کی شاعری مین قنوطیت کے لئے کافی تھی - خام عمرکی ایک محرومی بھی شخصیت مین عجیب گتھیان پیدا کردیا کرتی ہے - جیسے جیسے ان کی عمربڑھتی گئی تخت وتاج کا اقبال گھٹتا گیا - سنہ ۱۸۰۳ء مین لارڈ لیک نے دھلی فتح کرلی - شاہ عالم کا اقتدارجسے کارنوآلس نے محدود کرنا شروع کردیا تھا اب سمٹ کرلال قلعے کی فصیلون مین محصور ہوگیا - یہ زمانہ ایک لحاظ سے انتہائی اہم ہے - سرمایہ دارانہ نظام فاتحانہ اندازسے دھلی مین داخل ہوا - جس کی برکتون نے جاگیردارانہ نظام کے کچلے ہوئے عوام کی آنکھین خیرہ کردین - امن وامان نے شاہی جاگیرون مین اضافہ بھی کیا - تجارت صفت اورزراعت کو ترقی بھی ہوئی - لیکن بادشاہ کی زنجیرون مین اضافہ ہوتا گیا - ہیسٹنگزنے "Big - Game" کی تکمیل مین تیزرفتاری کا ثبوت دیا - بادشاہ کے خطوط مین " خادم شاہ " لکھنا بند کردیا - نذرکی رسم اڑادی - اکبرثانی نے تخت نشینی کے جشن مین ملاقات کی خواہش کی توٹھکرادی گئی کیونکہ وہ شاہی آداب کی بجا آوری کمپنی بہادرکی توہین سمجھتا تھا - نواب اودھ کوبادشاہت پراکسایا گیا - لارڈ امہرسٹ نے سنہ ۱۸۲۸ءمین اکبرثانی سے مساویانہ ملاقات کی اور بجائے نذردینے کے زروجواہرکے تحفے حاصل کئے - لارڈ امہرسٹ نے اکبر ثانی سے خط وکتابت کرتے وقت القاب وآداب تک ختم کردئے - بظاہریہ سب باتین غیرمتعلق معلوم ہوتی ہین مگرظفرکی قنوطیت مین ان کا بڑا دخل ہے - اب تک توشاہان دھلی بازیافتہ اقتدارکی امید مین زہرکے گھونٹ پی رہے تھے - لیکن اب ان کے چارونطرف اندھیرا تھا - ظفرنے اپنی آنکھون سے دیکھا تھا - کہ شہنشاہ اپنے عہد کے ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی

طاقت کی علامت بن کر تخت پر بیٹھتا تھا ۔ اور انھین کے سامنے ان کا باپ برطانوی ریزیڈنٹ کی خوشامد کرتا تھا ۔

لیکن ظفر اس " غلام شاہی " کی تمنا مین بوڑھے ہوگئے ۔ ایک جان لیوا کشمکش مین مدتون گرفتار رہے ۔ ولی عہدی نصیب ہوجانے کے بعد بھی مرزا جہانگیر ان کے کامیاب رقیب تھے ۔ جن کی پشت پر باپ کی محبت کا ہاتھ تھا ۔ وہ لازوال طمانیت جو مان باپ کی شفقت سے جنم پاتی ہے۔ وہ ظفر کی قسمت مین نہ تھی ۔ آخر ۶۳ سال کی عمر مین انھین وہ نام نہاد بادشاہت ملی جس نے ان کے احساس غم کو اور شدید کردیا ۔

مہرہ شطرنج شاہ اپنی ظفر ہے کیا بساط * کرتا ہے وہ آپ پر دو مات اپنے ہاتھ سے
اے ظفر اس وقت مین عزت ہے ذلّت کا سبب
صاحب توقیر کی توقیر دشمن بن گئی
مرے زوال سے جانو کمال کو میرے * زوال یہ ہے تو ہوگا کمال کیا کچھ
ہوئے طاقت سے بیطاقت ہوا یہ حال ہے اپنا
کہ آجاتے غنی پر جس طرح دن مفلسی کے ہین
شب تاج ند آلودہ پہ نازان ہے جو اے شمع
اس واسطے تو لایق گردن زدنی ہے
سر قلم ہونے کا باعث ہے یہی بزم افروز
بہتر اس تاج سے تو با سر عریان ہے شمع

بہادر شاہ ظفر اس نام نہاد بادشاہت کی رنگ رلیون کا شکار ہوکر بہت کچھ اپنے گذشتہ غم کو بھلا وا دے سکتے تھے مگر مرزا جوان بخت کی ولی عہدی کے شاخسانے کے علاوہ خود بادشاہت کا وجود ہی خطرے مین پڑگیا ۔ ڈلہوزی نے تجویز کیا کہ بہادر شاہ ظفر کے بعد بادشاہت کا سلسلہ ختم کردیا جائے قلعہ خالی کرا لیا جائے اور شاہی افراد کو قطب مین منتقل کردیا جائے ۔ اس سے پہلے شاہی خاندان کی سکونت کے لئے مونگیر کا انتخاب کیا جا چکا تھا ۔ آخر مرزا فخرو سے اسی شرط پر مصالحت بھی ہوگئی ۔ لیکن سنہ ۱۸۵۶ء مین اس کا انتقال ہوگیا ۔ اور آئندہ بادشاہت کا قانوناً خاتمہ بھی ہوگیا ۔ لیکن سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب مین بہادر شاہ ظفر ماخود ہوئے اور رنگون مین قیدی کی موت مرے ۔

بس تجھی تک اے ظفر ہے انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

بہادر شاہ ظفر نے دلسوزی کے اظہار کی مسرت کے لئے لڑکپن ہی سے شعر مین دلچسپی لی (۱) ۔ ضلع جگت کے استاد شاہ نصیر اور ذوق کی استادی نے ان کے ملکہ شعری کی پرداخت کی ۔ کچھ تو ان اساتذہ کے اثر سے اور کچھ اپنی علمی کم مایگئی کی بدولت عام فرسودہ مضامین کو محاورہ اور روزمرّہ کے التزام کے ساتھ اشعار مین ڈھال لینے پر اکتفا کی ۔ حالی نے بھی ظفر کی زبان کو سراہا ہے ۔ منشی کریم الدین کی تنقید ملاحظہ ہو ۔

" ظفر شعر (۲) ایسا کہتے ہین کہ ان کے برابر کوئی کہہ نہین سکتا تمام ہندوستان مین اکثر قوال ان کی غزلین گیت اور ٹھمریان گاتے ہین "

جس زمانے کی شاعری قوّالون کی پسند کے میزان پر جانچی جائے اس مین ذہن اور فکر کی تلاش کے کیا معنی ۔ تاہم ظفر کے ضخیم کلیات مین تصوّف اور عشق کے عام پامال مضامین کا انبار موجود ہے ۔ لیکن ذاتی کوائف اور عصری حادثات کے امتزاج نے ان کی شاعری کے قنوطی رنگ کو تیز کر دیا ہے ۔ ظفر کی شاعری پر تنقید کرتے ہوئے نیاز فتحپوری نے قنوطیت کا اعتراف کیا البتہ اس قنوطیت (۳) کی " کم مقداری " کے باعث انھین ظفر کے عام کلام پر جرأت کا رنگ نظر آیا ۔ حالانکہ کلیات کا شاید ہی کوئی ایسا ورق ہو جو قنوطیت آمیز اشعار سے پاک ہو ۔ ظفر کی وہی غزلین مشہور ہین جو اس رنگ مین ڈوبی ہوئی ہین ۔ اس کے علاوہ نیاز فتحپوری ظفر کے کلام پر رائے ~~[illegible]~~ دیتے ہیں حالانکہ کلیات بالاستیعاب مطالعہ (۴) نہین کیا ۔ کچھ غزلون کے مطلع دیکھئے

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہون نہ کسی کے دل کا قرار ہون
جو کسی کے کام نہ آسکے مین وہ ایک مشت غبار ہون
گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہین دل کو میرے قرار ہے
کرون اس ستم کا مین کیا بیان میرا غم سے سینہ فگار ہے

---

(۱) "دلّی کا دبستان شاعری " از ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ۔ ص ۲۴۸
(۲) از کریم الدین
(۳) نیاز فتحپوری ۔ "نگار" جنوری سنہ ۱۹۳۰ء ص ۵ (ظفر نمبر)
(۴) نیاز فتحپوری ۔ "نگار" جنوری سنہ ۱۹۳۰ء ص ۷ (ظفر نمبر)

بلبلو مت رو بہان آنسو بہانا ہے منع * ان قفس کے قیدیون کو غل مچانا ہے منع
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہین * خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہین

وہ معاملہ بندی جس کے اشارون پر نیاز فتحپوری نے ظفر کو جرأت کے حلقے مین بٹھا دیا ظفر کی عام شاعری کا صرف ایک پہلو ہے - تذکرہ نگارون کا کہنا ہے کہ ظفر نے تقاضائے سن ہی سے کاروبار محبت بھی کر رکھا تھا - درد عشق غزل کی جان ہوا کرتا ہے - روایتی محبت اور ذاتی عشقیہ تجربون نے مل جل کر ان کے کلام مین وہ شکست خوردگی اور دل برشتگی پیدا کر دی جو ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے - عشق زندگی کا ناقابل علاج غم ہے - نہ اس کے ظلم کا کوئی ٹھکانا ہے اور نہ اس سے مفر کی کوئی صورت - یہ مضمون اردو شاعری مین عام ہے - لیکن اپنے عہد مین غالب کے بعد اس کا سب سے زیادہ منفیانہ تاثر ظفر ہی کے کلام مین موجود ہے - اس کا ایک سبب تصوّف بھی ہو سکتا ہے - جس کا ذکر آیندہ آئے گا - گو کہ مایوسی عشق کے اکثر اشعار فنّی نقطۂ نظر سے معمولی ہین - لیکن ان کا ذکر ناگزیر ہے کیونکہ ظفر کا بیشتر حصۂ کلام ہی معمولی ہے - کچھ اشعار ملاحظہ ہون -

پہلے تو دل مین محبت کا شجر پیدا ہوا * پھر لگے حسرت کے گل غم کا ثمر پیدا ہوا

دم بسمل اے بت عشوہ گر خوشی عید کی سی ہوئی مجھے
خم تیغ ترا جو سامنے نظر آیا مثل ہلال تھا

مرے دل مین تھا کہ کہون گا مین جو یہ دل پہ رنج و ملال ہے
وہ جب آگیا مرے سامنے نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا

وہی بیوفا وہی پر جفا وہان لطف کیا وفا کہان
فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا

رات بھر مجھکو غم یار نے سونے نہ دیا * صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا

محبت کی اس رنجوری اور جانکاہی کا بیان صرف روایت کی پیداوار نہین ہے بلکہ ظفر کی تاریخ سے قطع نظر خود ان کے اشعار سے ان کی بدنصیبی اور محرومی کی داستان مرتب ہوتی ہے - چرخ ناہنجار اور گردش روزگار کا رونا اردو شاعری مین نیا نہین ہے تاہم ان کے کلیات کے ہزارہا اشعار مین اس مضمون کی تکرار اور تعداد اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ان کے غم کی پرخلوص عکاسی ہے - ہارے ہوئے دل غم کو تقدیر کا لکھا کہہ کر اس کی صعوبت مین کمی کر لیتے ہین - سارے زمانے کو غم مین جکڑا ہوا دیکھ کر اپنے دل کی

تسکین ڈھونڈھ لیتے ھین - جب یہ کوشش مستقل ھوجاتی ھے تو ایک موڈ بن جاتی ھے - اور یہ موڈ شاعر کی افتاد طبع کی غمّازی کرتا ھے - اس لئے کہ کوئی شاعر غم کے بیان مین اتنی شدّت اور اتنا خلوص کیون برتتا ھے - مسرت کے ذکر سے عاجز کیون ھے -

کرتا ھے جس کے ساتھ فلک کج ادا بیان * دیتا ھے اس کو عشق کی کج کلاہ کا
پھولے ھے تازہ شکوفہ چمن دھر مین روز * واہ دکھلائے ھے کیا گردش افلاک بہار
ترے ھاتھون سے جام بادۂ عیش * رھا کب گردش ایام لبریز
گزرے ھے کوئی لحظہ جو بیفکر تو برسون * دیتا ھے فلک اس کے مکافات مین تشویش
نہین ھوگی آخر شرح اپنی تیرہ بختی کی * سیہ گر یکقلم کاغذ کے لاکھون بند ھوئنگے
کرتی ھے تازہ فتنہ بپا گردش فلک * لاتی ھے ھم پہ روز یہ چکّر نئے نئے

نہ چرخ آسیا ھون نئے بھنور ھون نے بگولا ھون
مجھے تو کیون لئے اے گردش تقدیر پھرتی ھے
جون نقش قدم مل گئے یان خاک مین لاکھون
رکھا نہ فلک تونے کسی کا بھی نشان خاک

ظفر کے کلام مین صیاد دام اور بے بال و پر کے استعارے صرف روایتی نہین ھین بلکہ دیسی حکومتون کے خلاف انگریزی سامراج کی اس پالیسی کے متعلق شاعرانہ اشارے ھین جن کا شکار خود ظفر تھا - چند اشعار دیکھئے -

جی قفس مین لگ گیا اپنا چمن سے بھی سوا *
ھم کو اے صیاد پروائے رھائی کیا رھی

صیاد نے آزاد کیا مجھکو قفس سے
طاقت نہ رھی اڑنے کی جب میرے پرون مین

چاک قفس سے دیکھ رھا ھون رخ چمن * صیاد ھے نہین ھوس بال و پر مجھے
جھوٹے ھم دام سے صیاد کے پر کیا حاصل * نہ پتا گل کا ملا اور نہ گلزار کا کھوج

"شمع" کا استعارہ بھی اردو شاعری مین نیا نہین ھے - مگر ظفر نے کہین اس کے جلنے مین اپنی زندگی کا سوز دیکھا اور کہین اس کے سر پر تاج رکھ کر لایق گردن زدنی قرار دیا ھے - اور کہین اس کی سوزش کو بے زبانی اور بے بس کہا ھے - سینکڑون اشعار مین سے صرف چند دیکھئے -

ہڈی ہڈی مری اے سوز نہان جلتی ہے * شمع جلتی ہے پر اس طرح کہان جلتی ہے
تاج زر کے لئے کیون شمع کا سر کاٹے ہے * رشتۂ الفت پروانہ کو گلگیر نہ توڑ
شمع سان لگ اٹھے زبان کو آگ * گر کرون سوز دل بیان اپنا

گریہ و بکا قنوطی شاعری کا اہم موضوع ہے - ظفر نے بھی آنسوؤن کا ذکر چھیڑا ہے -

ہان فرو سوز دل اک دم نہوا پر نہوا * اور گریئے سے بڑھا کم نہوا پر نہوا
کس کا فلک اوّل و ہفتم کہ مرا اشک * اک آنکھ جھپکتے مین ڈبوتا کوئی ہوتا
جب اشک آتا ہے مژگان تلک مرے دل سے * تو ساتھ اپنے ہے لخت جگر لئے آیا
کثرت ہے آنسوؤن کی ہجوم سپاہ غم * نالہ نہین نشان ہے یہ اس سپاہ کا

اس روتی ہوئی زندگی کو جھیلنے کے لئے تصوّف کا سہارا آسان بھی تھا اور فطری بھی - مادّی تباہ حالی ماورائی طلسمات کی پناہ گاہون مین دل کا سکون ڈھونڈھتی ہے - ظفر کی شخصیت کا وہ گداز جو غم کے ہاتھون تخلیق ہوا تھا تصوّف کے ہاتھون پرورش کیا گیا - وہ دس سال کی چھوٹی عمر مین مولانا شاہ فخرالدین کے ہاتھ پر بیعت ہو چکے تھے -

اے ظفر مین کیا بتاؤن تجھ سے جو کچھ ہون سو ہون
لیکن اپنے فخر دین کے کفش برداروں مین ہون
ظفر دشوار ہے ہرچند اہل معرفت ہونا
مگر صدقے مین فخرالدین کے ہان ہو سکتا ہے سبکچھ

ان کے وصال پر وہ مولانا کے صاحبزادے مولانا قطب الدین کے ارادتمند ہوئے -

مرید قطب دین ہون خاک پائے فخر دین ہون مین
اگرچہ شاہ ہون ان کا غلام کمترین ہون مین

جب ان کا بھی انتقال ہو گیا تو وہ نصیرالدین شاہ عرف کالے شاہ کے مرید ہوئے - ان کی مسند نشینی پر شعر بھی کہے -

نظام خانۂ فخر جہان تمھین تو ہو * قیام سلسلۂ خاندان تمھین تو ہو
ظفر کی چاہئے نصرت تمھین نصیرالدین * کہ اس کے یار و مددگار ہان تمھین تو ہو

لیکن چونکہ ان کی علمی سطح بہت بلند نہ تھی اور بہرحال ایک شاہزادے کی حیثیت سے وہ روحانیت کے مقابلے مین مادّیت کے زیادہ قریب تھے اس لئے وہ اس میدان مین کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکے - اس کے علاوہ اگر

ان کے تصوّف کا تجزیہ کیا جائے تو بات دور تک پہونچتی ہے - یعنی جب ان کے گھر سے اس شمشیر و سنان کا جنازہ نکل گیا جس کے بل بوتے پر ان کی برتری کا دارومدار تھا اور وہ اپنی عسرت کے باعث شاہان اودھ کی طرح طاؤس و رباب کا ذکر نہ چھیڑ سکے - تو اقتدار کی حسرت مین تسبیح و مصلے کا احسان اٹھایا - " ظل سبحانی " کی شہنشاہیت "پیر و مرشد" کی روحانیت مین ڈھل گئی - دربار سے خانقاہ تک کی روداد کے اندرونی ثبوت کے طور پر وہ غزل پیش کی جا سکتی ہے - جس کا مطلع ہے -

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا * یا مجھے تاج گدایانہ بنایا ہوتا

لیکن تصوّف کی وہ برگزیدہ منازل جو میر درد اور ان کے قبیلے کے دوسرے لوگون کے نصیب مین آئین ان سے ظفر محروم رہے تاہم اس کی حسرت ان کے یہان ملتی ہے -

نہو دام علایق جسم اگر کرون عالم قدس کی سیر ظفر
کوئی ایسا ہو کامل پاک نظر کہ جو قید ہے اس سے چھڑاوے مجھے
یہ جو پڑا ہے پردۂ غفلت اپنے دیدہ و دل پہ ظفر
کوئی اگر دے اس کو اٹھا کیا اچھا ہو کیا اچھا ہو

اکبر و جہانگیر کے تخت پر بیٹھ کر سیاسی غلامی کے غم نے قناعت سے روشناس کرایا - قناعت اپنی جگہ پر تزکیۂ نفس کا زینہ اور صوفیائے کرام کا مہتم بالشان مسلہ ہے - اس سے کردار مین راستی اور شخصیت مین بے باکی پیدا ہوتی ہے - لیکن "نان جوین" اس وقت من و صلوی کی رقیب ہو سکتی ہے جب بازوؤن مین زور حیدر ہو ورنہ وہ مادّی مظلومیت کو اور حقیر کر دیتی ہے - ظفر کے یہ اشعار دیکھئے - ان مین قناعت کے واسطے سے فقیری کی صرف صورت نظر آتی ہے - سیرت نہین -

ہم قناعت کو ترے دولت سمجھتے ہین ظفر
ڈھونڈھتے جو زر کو ہین وہ طالب زر اور ہین
خاکساری نے ظفر دل کر دیا اپنا غنی
دل سے اپنے خواہش اکسیر سب جاتی رہی
جا ہئے درویش کو کیا بادشاہانہ لباس * چھوڑ کر اپنا ولق کیون پہنے وہ بیگانہ لباس
منعم کو مبارک رہے قالین و نہالی * ہم خاک نشینون کے لئے فرش و مکان خاک

اس مجبور قناعت اور فقیری کو سمجھنے کے لئے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے -

خواب تھا جو زندگی جاہ و حشم مین کٹ گئی
ورنہ ساری عمر اپنی درد و غم مین کٹ گئی

پھر خواب مین بھی ہم نے نہ دیکھا وہ اے ظفر
آنکھون کے سامنے سے جو عالم نکل گیا

"وحدۃ الوجود" کا مسلہ بھی ظفر کا محبوب مضمون ہے - زندگی اور زمانے کے نشیب و فراز انھون نے اسی آئینہ مین دیکھے ہین - کیونکہ اگر ہر نشیب اور ہر فراز کے پیچھے اس واحد مطلق کا ہاتھ تسلیم کرلیا جائے تو اپنے نشیب کی پستی ہیچ ہوکر گوارا ہوجاتی ہے -

(۱)

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے * خورشید وہی نور سحرگاہ وہی ہے
پیدا نگاہ کرکہ تجلّیٔ حسن یار سب جا ہے آشکار
شعلے سے طور کے نہین کم روشنی مین ہے ہر سنگ کا شرر
کیون کعبہ و کنشت مین سر مارتا ہے تو گرم جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی مین ہے پرتو ہے بیخبر
صورت ہے بتون کی عجب اللہ کی قدرت
ہر جلوے مین اک اور ہی جلوہ نظر آیا
ظفر اس سے چھٹ کے جو جست کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی نہ قفس تھا نہ کوئی نہ جال تھا

وحدۃ الوجود کا مسلہ اسی مقام پر قنوطیت کا مسلہ بن جاتا ہے جہان وہ کائنات کے ہر فعل کو واحد مطلق کی قدرت کا پرتو قرار دے کر خیر و بد کو خلط ملط کردیتا ہے - زندگی اور کائنات کی بدی پر زور دیتے دیتے زندگی اور کائنات کو بد کہدیتا ہے - فنا کا شگوفہ یہین سے پھوٹتا ہے - روحانیت کی مخصوص راہ مین فنا کا برگزیدہ مقام ہوسکتا ہے لیکن مادّی زندگی کی ہر تعمیر مین عموماً یہ تحزیب کا جواز ڈھونڈھتا اور زندگی و کائنات کی قدر و قیمت کو دھکا پہونچاتا ہے - ظفر کا کلام بھی تصوّف کی اس دین سے خالی نہین ہے -

مثل حباب دیکھ محیط وجود مین * اپنی ہوا نہ باندھ تو آ کر نمود مین
کب رہتی ہمیشہ ہے بہار گل و گلشن * دو دن مین اڑادے ہے ظفر باد خزان خاک

---

(۱) یہ پوری غزل اسی خیال کی تکرار ہے -

محل مٹی کا ہے انسان کا تو قالب خاکی * فنا ڈھاکر ملادے اسکی تو تعمیر آہن کو
مسکن اس بحر فنا مین کر نہ مانند حباب * ڈال پانی پر نہ بنیاد مکان بیفائدہ
فکر کرو ان کی ہمیشہ تجھے رہنا ہے جہان * یان مکان کرتا ہے کسواسطے تعمیر عبث
کچھ بھی نہ ساتھ لے گئے قیصر و جم جہان سے
چھوڑکے یان کا سب یہین جاہ و حشم چلے گئے

اس صنی زندگی کی وہ المناکی اور محرومی جس سے ان کی زندگی عبارت تھی صوفیانہ تصوّرات کی منفیانہ توجیہات کے ہاتھون بھی ایک ایسا نقطہ نظر بنانے مین کامیاب ہوگئی جو کائنات اور حیات کو تاریک کہتا ہے اور اس کی نفی کرتا ہے -

رنج ہے دنیا مین وافر اور عشرت ہے قلیل
دیکھے یان خورسند کم اندوھگین دیکھے بہت
گرچہ برنگ گل ہنسے باغ جہان مین ایک دم
شبنم گل کی طرح پھر روتے ہی ہم چلے گئے

غم کی اس فراوانی اور عشرت کی قلت نے انھین وہ نظر بخشی جس نے کائنات کے وجود سے انکار کرکے اس کو عدم قرار دے دیا - وجود پر افسوس کیا اور عدم کی حسرت کی -

یہ جو دیکھتے ہو تم غفلت مین * خواب ہے غافلو خدا کی قسم
ہوئے دنیا سے سبکدوش نہ منعم نہ فقیر * کہین کملی ہے گران اور کہین شال کامول
آدمی خاک کرے بل کہ اجل کے آگے * اے ظفر اس کا نکل جائے ہے اک آنمین بل
یون ہین جہان سے مرد جو گوشہ نشین الگ تھلک
جیسے صدف مین سب سے ہے درثمین الگ تھلک
رکھتے ہستی مین عدم سے کیون قدم اپنا جو ہم
ہوتے واقف اس مقام پر خطرے پیشتر

اردو ادب کے دوسرے بڑے شعراء کی طرح غالب کا کلام بھی کسی فلسفۂ حیات کی تبلیغ (۱) سے خالی ہے - فلسفی ایک نظام فکر کی ترتیب کرتا ہے اعیان و حوادث کو استدلال کے منطقی رشتے میں پرونے کی کوشش کرتا ہے - علّت و معلول اور مقدمات و نتائج کو ایک سلسلے میں گوندھ کر کوشش کرتا ہے کہ اس کے افکار میں ایک اساسی توافق کے وجود کا احساس ہو - اس کا فرض ہے کہ حادث و قدیم کا تعلق ڈھونڈھے کثرت و وحدت کا معمّہ حل کرے فکر تاثر اور عمل میں مدافعت کی کوشش کرکے عملی زندگی میں دوسروں کی رہنمائی کا شرف حاصل کرے - اردو کی ساری کلاسیکل شاعری کی طرح غالب کا کلام بھی اس مقدّس ذمہ داری کے احساس سے عاری ہے تاہم یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کس قسم کے فلسفیانہ افکار اس کے شعری مزاج سے زیادہ مانوس ہیں - حیات و کائنات کے سربستہ رازوں کی عقدہ کشائی کے وقت کس فلسفے نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا ہے - زندگی کے دکھ جھیلنے میں اس نے کس نظام فکر سے حوصلہ لیا ہے -

شاعر جب کسی نظام فکر سے اپنی شعری اساس کی ترتیب و آرائش میں مدد لیتا ہے تو اس انتخاب میں بہت کچھ اس کی زندگی اور اس کی دنیا کی مادّی آسودگی اور ذہنی صحانیت کا دخل ہوتا ہے - غم یا مسرّت کا کوئی تصوّر "آیت" کی طرح آسمان سے اس کے ذہن پر نہیں اترتا بلکہ ہر جذبہ کسی نہ کسی طرح شاعر کی اپنی دنیا کی تاریخ اخلاق اور معیشت ما مظہر ہوا کرتا ہے - غالب کی شاعری میں اس کے فلسفیانہ افکار کے واسطے سے قنوطیت تک رسائی حاصل کرنے لئے ضروری ہے کہ اس کی زندگی اور اس کے عہد کے اوراق کا مطالعہ کریں -

غالب ابھی دو برس کا تھا کہ اس کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا - پانچ برس کی عمر میں موت نے چچا کی سرپرستی بھی چھین لی - امیر و کبیر ننھیال کی مستعاری عشرت میں اس کا لڑکپن گزرا - یہ دور غالب کے مزاج کی نشو و نما میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے - شیخ محمد اکرام (۲) نے اس زمانے کو غالب کے احساس کمتری کا ذمّے دار ٹھہرایا ہے - باپ کی عسرت میں گزاری

---

(۱) "افکار غالب" از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - ص - ۲۸

(۲) از غالب نامہ - شیخ محمد اکرام

ہوئی زندگی ماں کی مجبوری اور یتیمی کی بیکسی نانا کی دُرکار محبت میں اپنا غم نہیں بھلا سکتی ۔ غالب کا ازدواجی زندگی کو پیر کی زنجیر کہنا تفنّن طبع کہکر ٹالا نہیں جا سکتا ۔ اس زنجیر کی نمود کے جذباتی اور مادّی اسباب ہیں ۔ بیوی کے وجودنے نوجوان غالب کی رنگ رلیاں محدود کردی ہوں گی ۔اخلاق کی پشت پناہی میں یہ محدودیّت غالب کی جذباتی نا سودگی کا مداوا نہیں بن سکتی ۔ امراؤبیگم دہلی کے ایک جلیل و نجیب خاندان کی چشم وچراغ تھی ۔ نواب الٰہی بخش کی مادّی فراغت کا ایک حصّہ بھی ٹکڑوں پر پلے ہوئے غالب کے گھر میں نہ تھا ۔ امراؤبیگم کی وفاداری اور غالب کی وصفداری ان کی ازدواجی طمانیت کا ثبوت نہیں بلکہ جاگیردارانہ تہذیب کے نظام اقدار کا نتیجہ ہیں ۔

غالب کی زندگی کے بہترین سال پنشن کے ناکام مقدمے کی نذر ہوئے ۔ جس نے ذہنی کرب کے علاوہ اس کو معاشی مصائب کا شکار بنا دیا ۔ بڑھتے ہوئے قرض نے ایک طرف ان کی ضروریات زندگی پر برا اثر ڈالا اور دوسری طرف ان کو رسوا و بدنام ہونا پڑا ۔

قرض کی پیتے تھے مئے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

غالب اپنے ایک خط میں قرض کی ذلّتوں کا بیان کرتے ہیں ۔

"جو دکھ مجھے پہونچتا ہے کہتا ہوں کہ غالب کے ایک اور جوتی لگی ۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بہت بڑا شاعر ہوں اور فارسی دان ہوں ۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں ۔ لے اب قرض داروں کو جواب دے ۔ سچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا بڑا کافر مرا بڑا ملحد مرا بڑا مردود مرا ۔
آئے نجم الدّولہ (۱) بہادر ایک قرضخواہ کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضخواہ بھونک سنا رہا ہے میں ان سے پوچھ رہا ہوں اجی حضرت نواب صاحب کیسے اوغلان کیسے ۔ آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں ۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے کچھ تو اکسو کچھ تو بولو ۔ کوٹھی سے شراب گندھی سے گلاب بزاز سے کپڑہ ۔ میوہ فروش سے میوہ آم صرّاف سے دام قرض لئے جاتا تھا یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ کہاں سے دوں گا "

---

(۱) "غالب" غلام رسول مہر ۔ ص ۔ ۱۳۸

اس کی مصیبتون کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۳۵ء مین جب ان پرپانچ ہزارکی ڈگری ہوئی توان کے ذمّہ چالیس پچاس ہزار قرض تھا ۔ (۱) لیکن غالب جیسے حسّاس انسان کے لئے ان مصیبتون سے زیادہ اپنے ہمچشمون کی نگاہون مین ان کی انا ء کی ذلّت تھی ۔

"مرزا اسد اللّٰہ خان (۲) برائے ملاقات یوسف خان رفتہ بود ۔ دراثنائے راہ چہراسی عدالت بابت نالش دوصد وپنجاہ روپیہ میکفرسن صاحب اورا گرفتار نمودہ درمکان ناظربردہ قید نمودہ ۔ امین الدین خان چہارصد روپیہ ہ اصل وسود دادہ اورا رہا کنید"

اس کی آمدنی کے سلسلہ مین اعداد و شمارکا حوالہ دیکر یہ یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مالی اعتبارسے غالب کی حالت خاص تھی ۔ ڈاکٹرعبدالطیف کے دلائل اور علم الحساب کی رو سے صحیح ہوسکتے ہین ۔ لیکن زندگی کے مطالعے کی نگاہ مین یکسرغلط ہین ۔ غالب نے جس گھرانے مین ہوش سنبھالا وہ اپنے دورکے سب سے بڑے طبقے کا نمائندہ تھا ۔جہان اس نے راجاؤن کے لڑکون سے پتنگین لڑائی تھین ۔ ضعیف شہنشاہیت کے عہد کا ایک نواب ان کا خسرتھا ۔ دلّی کے جاگیردارون سے اس کے تعلقات مساویانہ تھے ۔ تکلّف اورتصنّع کی جمکدارتہذیب کا وہ ایک وضعدارنمائندہ تھا ۔ ہمچشمون مین اپنا بھرم بنائے رکھنے کی جان لیوا فکرکا وہ ایک مجبور شکارتھا ۔ ایک طبقے کی Necessity دوسرے طبقے کی Luxury ہوا کرتی ہے ۔ یہ معاشیات کا عام اصول ہے ۔ غالب کی مادّی زندگی کا جب بھی احتساب کیا جائے گا تواسے اس طبقے مین رکھا جائے گا جس مین وہ زندہ تھا یا جس مین وہ زندہ رہنے کا آرزومند تھا ۔ غالب نے جہان بھی اپنے گھرکی ویرانی کا رونا رویا ہے وہان مفلسی کا یہ احساس برہنہ ہوگیا ہے ۔

اگا ہے گھرمین ہرسوسبزہ ویرانی تماشہ کر
مدار اب کھودنے پرگھاس کے ہے میرے دربان کا

اگ رہا ہے درودیوار پر سبزہ غالب
ہم بیابان مین ہین اورگھرمین بہارآئی ہے

---

(۱) "متفرقات غالب" بنام ناسخ ۔ ص ۔ ۱۰۰

(۲) "جام جہان نما" ۷۷۳ ۔ (۷ جون سنہ ۱۸۳۷ء)

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی * در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا
ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ * جس کی بہار یہ ہو پھر اسکی خزان نہ پوچھ
وفور اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ * کہ ہوگئے مرے دیوار و در در و دیوار

اس زمانے مین جھوٹے بھائی کے پاگل ہوجانے کے علاوہ بدنامی اور رسوائی کا وہ کاری زخم لگا جس سے ولی سے لے کر مجاز تک اردو شاعری کی ساری فہرست کے سینے خالی ہین - یعنی سنہ ۱۷۴۷ء مین قماربازی کی پاداش مین انھین قید کا حکم ہوا - آبائی وقار کا وہ طلسم جس کے غرور مین اس نے اپنے ادبی رقیبون کو للکارا تھا -

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری * کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے

پانی کے ایک بلبلے کی طرح بیٹھ گیا - افسوس ہے کہ اردو مین اس غم کی کوئی تصویر موجود نہین تاہم فارسی کے "اسیریہ" سے اس دکھ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - قید کی جسمانی اذیت کے علاوہ روحی کرب کے اسباب غالب نے خود بیان کئے ہین -

من نہ آنم کہ ازین سلسلہ ننگم نبود * چکنم چون بقضا زہرۂ جنگم نبود
راز دانا غم رسوائی جاوید بلاست * بہر آزار غم از قید فرنگم نبود
جور اعدا رود از دل برہائی لیکن * طعن احباب کم از زخم خدنگم نبود
بہ شگاف قلم از سینہ برون می ریزم * بسکہ گنجائی غم در دل تنگم نبود

اس طرح ایک ناکام زندگی گزار کر مرض الموت کے سارے آزار جھیل کر غالب نے اس دنیا سے کوچ کیا جس کے متعلق اس کا ارشاد ہے -

یارب ہمین تو خواب مین بھی مت دکھائیو
یہ محشر خیال کہ دنیا کہین ۰۰۰۰۰ جسے

اولاد جیسی سہل الحصول نعمت اور عام نعمت سے بھی غالب کا دامن خالی تھا عارف کی ذات سے اس نے اپنی پدرانہ محبت کی تکمیل وابستہ کی لیکن اسے بھی موت کھا گئی - زندگی کی ساری ناکامیون اور محرومیون کے نقوش سے اردو دیوان کا ہر صفحہ رنگین ہے - تاہم یہ غالب کا سچا عکس نہین کہا جا سکتا - کیونکہ غالب نے اردو شاعری مین اپنے اس بیس بہا اضافے کو بیرنگ مجموعہ کہا ہے اور اپنے فارسی کلام کو اپنی عظمت کا آئینہ بتایا ہے - ذوق کو خطاب کرکے جو قطعہ لکھا ہے وہ اس کا ثبوت ہے -

اے کہ دربزم شہنشاہ سخن رس گفتہ * کے بپرگوئی فلان درشعر ھمسنگ منست
نیست نقصان یکدو خبردست از سواد ریختہ * کان وزم برگے زنخلستان فرھنگ منست
فارسی بین تا بینی نقش ھائے رنگ رنگ * بگذر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ منست
فارسی بین تابدانی کاندر اقلیم خیال * مانی وارژنگم وآن نسخۂ ارتنگ منست
انوری وعرفی وخاقانی سلطان منم * پادسہ طہورث وجمشید و ھوشنگ منست

تاھم اردو دیوان سے اس کی افتاد طبع اورفکری اساس کا سراغ لگایا جا سکتا ھے - کیونکہ یہ "بیرنگ مجموعہ" ھی اس کی بقائے دوام کا ضامن ھے -

غالب کا زمانہ سیاسی اعتبارسے چراغ کے بجھنے سے قبل کی تیز روشنی کا زمانہ ھے - سنہ ۱۸۰۳ء مین لارڈ لیک نے مرھٹون کی قوت توڑدی - الہہ آباد سے مقید شہنشاہ دھلی لایا گیا - اور اسے تخت نشین کیا گیا - دھلی اوراس کی نواح مرھٹہ شاھی اورجاٹ گردی کے مصائب سے نجات پا گئی - دارالخلافہ اس دورکی سب سے بڑی طاقت کے سائے مین وقتی اور سطحی سکون کا سانس لینے لگا - انگریزون کا سیاسی اورمعاشی استحصال قلعۂ معلی اوراس کے حلیفون کی ذات تک محدود رھا - آئے دن کی جڑھائیون سے نجات ملتے ھی "خالصہ" کی جاگیرون کی آمدنی بڑھ گئی - محفوظ راستون نے صنعت اور تجارت کو چمکنے مین موددی قلعہ کی سرپرستی نے گلی کوچون مین شاعرپیدا کردئے - علم وحکمت کی وہ گرم بازاری ھوئی کہ فقیر ظفرکے حضورمین ان جلیل المرتبت شخصیتون کا ھجوم ھوا جو اکبروجہانگیر کے درباری نامورون سے ٹکر کھاتی ھین - جن مین غالب کا نام سرفہرست ھے -

غالب نے جس عمرمین شعرکہنا شروع کیا وہ خارجی طورپرقدرے سکون اورداخلی لحاظ سے اس کی عیش وعشرت کا زمانہ تھا - فارسی سے فطری لگاؤ اور "بیدل کی پسندیدگی" نے اسے عشق کی ربودگی اور تصوّف کی سپردگی سے بلا واسطہ روشناس کرایا - فارسی شاعری کا یہی وہ شعری سرمایہ ھے جس کی اس دورکی دھلوی غزل پرچھاپ تھی - غالب نے انھین شعری مسائل پراپنی شاعری کا اوّلین سنگ بنیاد رکھا - غالب کے شعری سرمائے کے متعلق ڈاکٹرعبدالطیف نے کڑوی لیکن سچی بات کہی ھے -

"رہا دیوان سو اس کی کہانی سیدھی سادی ہے ہر زمانے مین غزل گو شعراء نے شیخ و برہمن کی پھبتیان اڑائین - صوفیون اور فلسفیون کی شان اختیار کی - فلک پر شکایتون کے تیر برسائے - اپنی شاعرانہ برتری کے گیت گائے - عاشقی کا سوانگ بھرا ساغر کے دور چلائے اور اسی قسم کے بہت سے تماشے کئے - غالب نے اس پامال راستے سے کچھ زیادہ کنارہ کشی نہین کی وہی پرانے موضوع اس کو اپنی شاعرانہ جولانی کے لئے ہاتھ آئے البتہ اس نے ان پر عقل کے لئے پردے ڈال دئے - اگر اس نے کوئی نئی زمین تلاش بھی کی تو وہ یاس حرمان کی زمین تھی(۱) نئی زمین تلاش کرنے سے ہماری یہ مراد ہے کہ حرمان نصیبی کے پرانے موضوع نے اس کی اندرونی بے اطمینانی سے ایک شخص رنگ اختیار کرلیا" -

غالب کا دیوان عام اور پامال مضامین سے آباد ہے - چند اشعار ملاحظہ ہون -

جزبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہئے * سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
بسکہ غالب ہون اسیری مین بھی آتش زیر پا * موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
نکوہش ہے سزا فریادیٔ بیداد دلیر کی * مبادا خندۂ دندان نما ہو صبح محشر کی
رگ لیلی کو تاک دشت مجنون ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقان نوک نشتر کی

پر پروانہ شاید بادبان کشتیٔ مے تھا
ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

کرون بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اڑگئی اڑنے سے پہلے میرے شہپر کی

کہان تک روؤن اس کے خیمے کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت مین یارب کیا نہ تھی دیوار پتھر کی

ہے عدم مین غنچہ محو عبرت انجام گل
یک جہان زانو تاملؔ در فضائے خندہ ہے

کلفت افسردگی کو عیش بے تابی حرام
ورنہ زندان در دل افسردن بنائے خندان ہے

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن
دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

---

(۱) "غالب" از ڈاکٹر عبد الطیف - ص - ۱۰۲

شعر کی تعمیر مین ہیئت و مواد جسم و جان کا مرتبہ رکھتے ہین - ولی سے ظفر تک اگر ساری کلاسیکل شاعری کا معانی کی تخصیص کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو غالب بھی انھین مضامین کے متنوع اظہار پر شاکر نظر آتا ہے جو حالی کے الفاظ مین تین چار صفحات مین سما جاتے ہین - غنائی شاعری مین عموماً اور غزل مین خصوصاً معنی کے لحاظ سے کسی انقلاب کا تصوّر کیا ہی نہین جا سکتا جب تک شاعر شعوری طور پر اقبال کی طرح جذبات و احساسات کے بجائے کسی پیغام یا کسی فلسفے کو اپنی افتاد شعری پر غالب نہ کرلے مواد مین کوئی انقلاب تو ایک صرف تنگنائے غزل کا شکوہ کرنے کے باوجود وہ غزل کی عام مروّجہ ہیئت مین بھی کوئی تغیر نہ کرسکے - جدّت کی انتہائی پرواز مین وہ صرف چند مضامین پر حاشیہ آرائی کرسکے - یعنی مسلّمات ثابتہ مین کچھ گوشے نکالے ہین شعری حقائق مین کچھ شوشے پیدا کئے ہین - مثلاً

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد * سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا
کوہکن نقّاش یک تمثال شیرین تھا اسد * سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا
عشق و مزدوریٔ عشرت گہہ خسرو کیا خوب * ہم کو تسلیم نکوکامیٔ فرہاد نہین
جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار * صحرا مگر بتنگیٔ چشم حسود تھا
وہ زندہ ہم ہین کہ ہین روشناس اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاودان کے لئے
ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن * دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
پکڑے جاتے ہین فرشتون کے لکھے پر ناحق * آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

مندرجہ بالا اشعار کا اگر تجزیہ کیا جائے تو فرہاد مجنون خضر اور جنت کے عام مضامین شعر کی تعمیر مین اہم رول انجام دیتے ہین - غالب کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے ان مضامین کے پیدا کردہ عالم نتائج پر نادر تصرّف کرکے نئے معنی دئے ہین اور ایسے اشعار کی تعداد سارے دیوان مین دس بیس سے زیادہ نہین ہے - ندرت کی اس روش مین بھی غالب یکتا نہین ہین میر ان سے بہت پہلے بھی حربہ استعمال کرچکے ہین -
وہ سیر کو وادی کی مائل نہ ہوا ورنہ * آنکھون کو غزالون کی پانوٗن تلے مل جاتا
کیا خوبی اس کے منھ کی اے غنچہ نقل کرئیے * تو تو نہ بول ظالم بو آتی ہے وہان سے

چونکہ قنوطیت کا تعلق بلا واسطہ شعر کے مواد سے ہے ورنہ یہ بحث نہ اٹھائی جاتی - مواد کے لحاظ سے عام غزل گویان قدیم کی طرح غالب کی شاعری کو بھی عشق اور تصوّف کے خانون مین بانٹا جا سکتا ہے - جہان تک عشق کا عملی زندگی مین وجود کا سوال ہے ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہین کہ غالب عاشق ہوئے بھی تھے یا نہین - تاہم ان کے ایک خط سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ وہ عاشق ہوئے تھے مرزا حاتم علی بیگ مہر کے تعزیتی خط مین ستم پیشہ ڈومنی کا اقرار بھی ملتا ہے - اور دیوان مین وہ غزل بھی جس کا مطلع ہے -

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

ساری غزل پر عارف کے مرثئے کا ماتمی رنگ چھایا ہوا ہے - جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس شکست سے بھی چور تھے - ان کے دیوان مین بھی عشق کی عام ربودگی اور سپردگی سے بھرپور اشعار ملتے ہین -

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیر نیمکش کو
یہ خلش کہان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

بلائے جان ہے غالب ان کی ہر بات * عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا
بجلی اک کوندگی آنکھون کے آگے تو کیا * بات کرتے کہ مین لب تشنۂ تقریر بھی تھا
دل ہوائے خرام ناز سے پھر * محشرستان بیقراری ہے
وہ نیشتر سہی پر دل مین جب اتر جاوے * نگاہ ناز کو پھر کیون نہ آشنا کہئے
فلک کو دیکھکے کرتا ہے تجھکو یاد اسد * اگرچہ گمشدہ ہے کاروبار دنیا کا
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن * خاک ہو جائینگے ہم تم کو خبر ہونے تک
اب مین ہون اور ماتم یک شہر آرزو * توڑا جو تونے آئینہ تمثال دار تھا
غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی * فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی

ان اشعار کی تعداد بڑھا کر صفحات پر پھیلایا جا سکتا ہے - تاہم ان کی ناکام محبت اور ستم پیشہ محبوب کی عام ستمرانی کا اندازہ اس قلیل تعداد سے بھی ہو جاتا ہے - اس جذباتی محرومی کے سائے مین غزل کے وہ اشعار بھی لکھے گئے جن سے غالب کے نظریۂ عشق پر روشنی پڑتی ہے - ممکن ہے کہ دئے جانے والے اشعار ان کے نقطۂ نظر کے تمام پہلوؤن کا احاطہ نہ کر سکین لیکن محبت کے متعلق دو ٹوک الفاظ مین کئے گئے فیصلون کو آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا - عشق کے نشاطیہ تصوّر کے نمائندہ اشعار کی موجودگی کے باوجود ایسے

اشعار نہ صرف ملتے ہین بلکہ کثرت سے ملتے ہین -

ہم نے وحشت کدۂ بزم جہان مین جون شمع
شعلہ عشق کو اپنا سروسامان سمجھا

ہوا ہون عشق کی غارت گری سے شرمندہ
سوائے حسرت تعمیر گھر مین خاک نہین

بلبل کے کاروبار پہ ہین خندہ ہائے گل * کہتے ہین جسکو عشق خلل ہے دماغ کا
رونق ہستی ہے عشق خانہ ویران ساز سے * انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن مین نہین
بے عشق عمر کٹ نہین سکتی ہے اور یان * طاقت بقدر لذت آزار بھی نہین
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی * دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا * درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا
دھر مین نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا * ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
مرا شمول ہر اک دل کے پیچ و تاب مین ہے * مین مدعا ہون تپشنامۂ تمنا کا
موج سراب دشت وفا کا بیان نہ پوچھ * ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا
کم جانتے تھے ہم ہی غم عشق کو پر اب * دیکھا تو کم ہوئے پہ غم روزگار تھا
تاراج کاوش غم ہجراں ہوا اسد * سینہ کہ تھا دفینہ گہر ہائے راز کا

اس نظریۂ عشق مین غالب کی ذاتی محرومیون اور ناکام تجربون مین اس روایتی مہجوری کا بھی دخل ہے جو ان کی شعری میراث پر چھائی ہوئی تھی - بیدل کا ذکر چھوڑ دیجئے میر کی پسندیدگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو مرحلہ آسان ہو جاتا ہے - یہ امر مسلمہ ہے کہ غالب میر کے معتقد تھے اور ان سے فیض اٹھایا - لیکن سوال یہ ہے کہ میر کے کلام کی کس خصوصیت سے متاثر ہوئے - میر کے فارسی زدہ کلام کا وہ حصہ جس کی نمائندگی یہ شعر کرتا ہے -

ہے پنجہ مرا پنجۂ خورشید مین ہر صبح
مین شانہ صفت سایہ رو زلف بتان ہون

اس جید فارسی دان غالب کو متاثر نہین کر سکتا جو ظہوری اور کلیم سے چشمک کرتا ہو - اب آتا ہے میر کا وہ مخصوص رنگ جس نے میر کو میر بنایا - اس سلسلے مین دنیا جانتی ہے کہ میر رنج و غم کا شاعر ہے - چوٹ کھائے ہوئے دل کے وہ نالے ہین جنھین ماتمی سوز مین پھونک کر غزل کے کلیجے مین رکھ دیا گیا ہے - میر کا آہنگ ہمیشہ ان اشعار سے پہچانا گیا ہے -

جی ڈھا جائے سحر سے آج * رات گزرے گی کس خرابی سے
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے * دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری مین لین آنکھین موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

میرکے اس رنگ کی پسندیدگی غالب کی غم پسندی کی غمّاز ہے - ان کے شعری مزاج اور میرکی سرشت مین کچھ چیزین قدر مشترک کا درجہ ضرور رکھتی ہین - ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس مسئلہ (۱) پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس طرح غالب کی وہ اذیّت کوشی اور غمناکی اور برہنہ ہو جاتی ہے جس کو الفاظ کے طمطراق اور تراکیب کی چمک دمک مین چھپانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے - غالب کا یہی شعر لے لیجئے -

جرح کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری مین
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین

ستمگاری کا سلیقہ اور زنگاری کا پردہ معشوق کے اس زخم کو چھپانے مین بڑی حد تک کامیاب ہے جو اس شعر کی روح ہے اور جس کے اظہار کے لئے غالب نے یہ شعر رقم کیا ایسے اشعار کی مثالین کثرت سے دی جا سکتی ہین -

شیخ محمد اکرام نے غالب کی قدّ آور شخصیت کی پشت پر " احساس کمتری " کا ہاتھ دیکھا ہے - پروفیسر احتشام حسین کا یہ کہنا صحیح ہے کہ غالب کا سارا شعری کارنامہ صرف " احساس کمتری " کا پروردہ نہین ہے - تاہم فرائڈ کے نظریے کے مطابق صنز و مزل کے سوتے احساس کمتری کے واسطے سے غم کے سینے سے بھی پھوٹتے ہین - یہ نظریہ اپنے طور پر صحیح ہو یا غلط لیکن غالب کے سلسلے مین اسے بالکل رد نہین کیا جا سکتا - خطوط کے مطالعے مین تو ایسے مقامات آتے ہین جہان ان کی شوخی اور ظرافت کے ٹانکے ٹوٹ گئے ہین اور زخم کھل گئے ہین - لیکن اشعار مین بھی بعض اوقات یہ طلسم ٹوٹ گیا ہے - مثلاً

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم مین نے پاسبان کے لئے

مین نے کہا کہ بزم ناز غیر سے چاہئے تہی
ہنس کے ستم ظریف نے مجھکو اٹھا دیا کہ یون

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آتے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

---

(۱) " نقد غالب " ص ۴۶ - ۴۷

یہاں اصل چیز" شامت کا آنا "بزم ناز سے محبوب کا اٹھا دینا اور کوچہ یار کی بے آبروئی ہے - یعنی شعر کی Theme یہی ہے - فریاد کرنے کے بجائے اس نے اپنے غم پر قہقہے لگائے ہیں - لیکن یہ بات یہیں نہیں ختم ہو جاتی - غالب نے اپنی ناکام زندگی پر عام آدمی کی طرح آنسو بہائے ہیں آنسوؤں کی حسرت کی ہے - آنسوؤں کو سراہا ہے - آنسوؤں کی آب سے خیالوں کو تاب دی ہے -

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرج دریا کا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیابان ہونا

اے اسد رویا جو دشت غم میں میں حسرت زدہ
آئینہ خانہ ہجوم اشک سے ویرانہ تھا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا

ان آنسوؤں کے پیچھے صرف اردو شاعری کی روایتی حزنیہ لئے اور غالب کا ذاتی درد ہی نہ تھا بلکہ وہ سماجی کرب اور تاریخی غم بھی تھا جس میں غالب پورے بھی تھے اور ڈوبے بھی تھے - شعر و فن کے "لال قلعے" پر ریختہ حکومت کر رہا تھا - غالب کی فارسی کے "نقشہائے رنگ رنگ" پر داد کے دروازے بند تھے - بہادر شاہ ظفر کی مفلسی ہی غالب کے دل کے لئے کافی تھی کہ "قاطع برہان" نے آگ لگا دی - مغلظات سے بھرے ہوئے خطوط تو موصول ہی ہوتے تھے - ہتک عزت کا وہ مقدمہ بھی غالب کو اٹھا لینا پڑا جو ان کے علمی زخم کا مرہم بن سکتا تھا - غالب کے اس درد کو سمجھنے کے لئے کیشن کی شاعری پر اس تنقید کو مدّ نظر رکھنا پڑیگا جس نے اسے زہر دیدیا - غالب کے یہ نالے سنئے -

یارب نہ وہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات
دے ان کو نہ دل اور تو دے مجھکو زبان اور

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدّعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

پاتا ہون اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زبان نہین

ہون گرمئ نشاط تصوّر سے نغمہ سنج
مین عندلیب گلشن نا آفریدہ ہون

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہین ہین مرے اشعار مین معنی نہ سہی

شاہ نصیر اور ذوق کے پرستارون مین غالب کے ریختے پر جو کچھ گزرتی ہوگی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ظفر جیسا شاعر عید کی تہنیت پر غالب کی غزل سنکر بولا "مرزا تم پڑھتے واقعی خوب ہو"

لارڈ لیک کی فتح دہلی کے بعد غارت گری کی رفتار مدھم ہوگئی تھی اور سازشون کے پیمانے جھوٹے ہوگئے تھے - لیکن پھر بھی غالب کی عصری تاریخ مین خون پانی سے کچھ زیادہ مہنگا نہین تھا -

غالب کے کلام مین خون سے رنگین تشبیہات اور تراکیب کی کمی نہین ہے - خون سے یہ ذہنی لگاؤ روایت انفرادیت اور تاریخ تینون کا مرکب ہے - چند شعر دیکھئے -

نہ اتنا برّش تیغ جفا پر ناز فرماؤ * مرے دریائے بیتابی مین ہے اک موج خون وہ بھی
جگر تشنۂ آزار تسلّی نہ ہوا .... * جوئے خون ہم نے بہائی بن ہر خار کے پاس
ہے موجزن اک قلزم خون کاش یہی ہو * آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
ابھی ہم قتل گہہ کا دیکھنا آسان سمجھتے ہین
نہین دیکھا شناور جوئے خون مین تیرے توسن کو

غالب کی قنوطیت روایتی اور ذاتی ہونے کے علاوہ عصری بھی ہے - پروفیسر آل احمد سرور نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے (۱)
"جس دور مین پیدا ہوئے وہ ہماری قدیم تہذیب کی آخری بہار کا دور تھا

(۱) " نقد غالب " ص ۲

جاتی ہوئی بہار اور آتی ہوئی خزاں کی آنکھ مچولی نے اس دور کو بہت اہم بنا دیا تھا " ۔

" بہار" جا رہی تھی اور "خزاں" آ رہی تھی ۔ ایسی صورت مین غالب جیسے غنائی شاعر کے دامن مین امید سے زیادہ مایوسی کے پھول ہونے چاہئے تھے اور ہین پروفیسر رشید احمد صدیقی جب غالب کو ایک عہد اور ایک تمدّن کہتے ہین ۔ تو درپردہ غالب سے اپنے دور کی عکّاسی کا مطالعہ کرتے ہین اور اس مین کامیاب ہوتے ہین ۔ غالب کی ساری ترقی پسندی صرف اس حد تک ہے کہ انھون نے انگریزون کے سیاسی سیلاب کے پیچھے سرمایہ دارانہ تہذیب کی کچھ برکتون کو ستائش کی نگاہ سے دیکھا تھا ۔ سرسیّد کی تصحیح شدہ "آئن اکبری" پر ان کی منظوم تقریظ اس کی شہادت ہے ۔ تاہم اجڑتی ہوئی تہذیب ان کے مزاج مین سما چکی تھی ۔ آنے والا تمدّن سورج کی طرح چڑھ رہا تھا ۔ انھون نے خود فریبی کے ہاتھون سے آنکھین نہین چھپائین بلکہ صالح مفاہمت پر اپنے آپ کو آمادہ کرلیا ۔ وکٹوریہ اور انگریز حکام کی شان مین کہے ہوئے قصیدے اقتصادی مجبوریون کی پیداوار ہین ۔ خود غالب ہی نے "بھٹئی" کہکر قصیدہ نگار غالب کی سماجی اور معاشی مصیبتون کا اظہار کردیا ہے ۔ عہد غدر کے خصوص مین بیوہ دلّی کے مرثیاتی تذکرون کا درد ان کی افتاد طبع کا غمّاز ہے ۔ غزل کی شاعری مین "سانحے" ذاتی غم کی قبا پہنکر آتے ہین ۔ غدر کے بعد غالب اگر شعر کہتے بھی تو اس کی صورت مسخ ہو کر آتی تاہم اس غم کے اثرات موجود ہین ۔ پروفیسر احتشام حسین نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے ۔

" یہ حقیقت ہے کہ غدر کے بعد غالب کی شاعری تقریباً ختم ہوچکی تھی ۔ اور اس کے اثرات ان کے خطون مین جس طرح نمایان ہین ان کے اشعار مین نمایان نہ ہوسکے ۔ انھون نے غدر کے پہلے ہی فضا کی ساری اداسی اور افسردگی کو داخلی بنا کر اپنے سینے مین بھرلیا تھا "

پھر بھی ایسے اشعار موجود ہین جن مین ان کے عہد کے تاریخی انقلاب کا سوز موجود ہے ۔

ہین آج کیون ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخئی فرشتہ ہماری جناب مین

بادشاہی کا جہان یہ حال ہو غالب تو پھر
کیون نہ دلّی مین ہر اک ناچیز نوّابی کرے

ہندوستان سایۂ گل پائے تخت تھا * سامان بادشاہی وصل بتان نہ پوچھ
دل تا جگر کہ ساحل دریائے خون ہے اب * اس رہگذر مین جلوۂ گل آگے گرد تھا

پہلے شعر کے معنی بناتے ہوئے حالی نے "یادگار" مین "ہبوط آدم" کی داستان دہرائی ہے - حالی کے مفہوم سے الجھنا سوئے ادب ہے لیکن غالب کے شارحین مین اختلاف کے علاوہ مفتون کا یہ شعر -

غزالان تم تو واقف ہو کہو مجنون کے مرنے کی
دوانہ اٹھ گیا دنیا سے ویرانے پہ کیا گذری

اگر سراج الدولہ کی وفات کے غم کا اظہار ہے تو غالب کا مندرجا بالا شعر بھی اکبر و جہانگیر کے جانشین کی ذلّت کا آئینہ دار ہے اجتماعی غم کو ذاتی غم بنا کر پیش کرنے کی رسم کے باوجود کہین کہین یہ غم بے نقاب بھی ہوگیا ہے -

ہوئی جن سے توقع خستگی مین داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
کون ہے جو نہین ہے حاجتمند * کس کی حاجت روا کرے کوئی

ذاتی غم اور اجتماعی یاس نے اردو شاعری کی عام حزنیہ لئے کے واسطے سے غالب کی شاعری کے قنوطی عناصر کو چمکایا - غم کے شعور نے انھین غور و فکر کا عادی بنایا - حیات و کائنات پر انھون نے غزل اور اپنے عصر کی حدود مین رہکر نگاہ ڈالی - لیکن ان کے دل کی بیقراری نے انھین کہین ٹھہرنے نہ دیا - جس چیز کو پروفیسر آل احمد سرور نے "صحتمند تشکیک" فیض احمد فیض نے اداسی اور ڈاکٹر عبدالطیف نے بے چینی کہا ہے - وہ ان کے درد مند دل کے مختلف پہلو ہین - اگر ان کے مزاج مین یہ بیقراری نہ ہوتی تو وہ کسی بھی نظام فکر یا نظام مذہب سے وابستہ ہو کر دل کی تسکین کرلیتے - جنت پر ان کا ایمان نہین وحدۃ الوجود کی عینک سے ساری خدائی مین خدا کو جاری و ساری دیکھنے کے باوجود دنیا کا ہنگامہ ان کی سمجھ مین نہین آتا کبھی غم کو حاصل زندگی بنا کر سکون کی تلاش کی - مگر وہ نہ ملا کبھی مسرت کے خواب دیکھے جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوئے - غرض ان کا سوچتا ہوا بیقرار تخیّل آسمانون پر منڈلاتے منڈلاتے تھک کر گرتا رہا اور تھک تھک کر اڑانین بھرتا رہا - یہی وجہ ہے کہ فکری تضاد سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہے تاہم حیات و کائنات پر جب بھی انھون نے گلفشانی کی ہے تو زیادہ تر تصوّف

کی بولی بولے ہین ان کی فکرانگیزطبیعت نے جب ابلاغ کے پیمانے سنبھالے تو ان کا زمانہ تصوّف کے روایتی عقاید اورہندی نظام فکرکے بے ربط تصوّرات کی شعری تعبیرپرقانع تھا - غالب نے بھی اس میدان مین اپنے گھوڑے دوڑائے مالک رام کے قیاس پریقین کیا جا سکتا ہے -

"نواب الہی بخش (۱) معروف ایک طرف کہنہ مشق اورقادرالکلام شاعر تھے تودوسری طرف صاحب حال وقال صوفی - غالب جب بھی ان کے یہان کسی محفل مین شریک ہوئے ہون گے ان کے کان مین یا شعروسخن کی باتین پڑی ہون گی یا مذہب و تصوّف کی "

غلام رسول مہربھی حالی کے حوالے سے غالب کے تصوّف پرایمان رکھتے ہین -

"تصوّف سے انہین (۲) خاص مناسبت تھی وہ بقول خواجہ حالی اہل حال مین سے نہ تھے - لیکن عرفا اورصوفیا کے کلام سے پوری طرح واقف تھے اورتوحید وجودی یا بہ اصطلاح عام وحدۃ الوجود کے قائل تھے "

غالب کا یہ شعر ہنس کرٹالا جا سکتا ہے -

یہ مسائل تصوّف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ باد خوار ہوتا

لیکن مکاتب کا یہ اعلان کیا ہوگا

"یہان لاموجود الااللّٰہ کا رصل گران چڑھائے ہوئے ہین اورکفرواسلام اور نورونارکومٹائے ہوئے بیٹھے ہوئے ہین "

دریبہ کے بنیون کے لونڈون کو پڑھا کرمولوی مشہور ہونا اورمسائل ابو حنیفہ کو دیکھنا اورمسائل حیض ونفاس مین غوطے مارنا اورہے اورعرفا کے کلام سے حقیقت حقّہ وحدت وجود کواپنے دلنشین کرنا اورہے مشرک وہ ہین جو وجود کو واجب وممکن مین مشترک جانتے ہین ..... مین موحّد خالص اورمومن کامل ہون - زبان سے لااله الااللّٰہ کہتا ہون اوردل مین لاموجود - الااللّٰہ اور لا موثرفی الوجود الااللّٰہ سمجھے ہوئے ہون "

اس زمانے کی سوسائٹی مین تصوّف صرف علمی اورشعری مسائل کی طرح

---

(۱) "ذکرغالب" مالک رام - ص - ۴۶
(۲) " غالب " غلام رسول مہر - ص - ۲۸۹

جاری و ساری نہ تھا - بلکہ تقریباً ہر مسلمان کسی نہ کسی سلسلۂ بیعت سے منسلک تھا - عوام پر صوفیا کے اقتدار کو سمجھنے کے لئے "رباعیات سرمد" مولانا ابوالکلام آزاد (۱) کا مقدمہ پڑھ لینا کافی ہے - خود بہادر شاہ کالے شاہ کے مرید تھے - حقیقی تاج و تخت چھن جانے کے بعد "ظلّ سبحانی" کے بجائے "پیر و مرشد" کے لقب پر دہلوی تہذیب کے تاجدار تھے -

بیدل کی پرستاری کے علاوہ فارسی ادب ان کے مزاج میں اس طرح رچ چکا تھا کہ وہ تصوّف سے اپنے کلام (۲) کو بچا بھی نہیں سکتے تھے - ملا عبدالصمد کے عدم وجود پر قاضی عبدالودود کی ساری بحث کے باوجود غالب کی فارسی دانی مسلّم ہے - تصوّف کی اصلی شکل کچھ بھی ہو اور اس نے روحانی دنیاؤں پر کیسی ہی حکمرانی کی ہو لیکن وہ ایران میں مسیحی رہبانیت اور ہندوستان میں بدھ ازم اور ویدانتی فلسفہ سے متاثر ہو کر عام حالات اور عام صورتوں میں مادّی دنیا اور انسانی عشرت کی نفی کرتا ہے - اس پر باب دوم میں تفصیلی بحث ہو چکی ہو -

"وحدت وجود" کا مفسّر کائنات کے ذرّے ذرّے میں خدا کی یکتائی کے جلوے دیکھتا ہے - اور ایمان رکھتا ہے کہ اس قادر مطلق کے حکم کے بغیر ایک پتّہ بھی کھڑک نہیں سکتا - اس تصوّر یا اس عقیدے سے انسانی زندگی کے انتہائی تاریک لمحات میں اگر کبھی یقین کی شمع جگمگا اٹھتی ہے تو اکثر ہارا ہوا مادّی زخموں سے لہولہان دل "جبر" کی راہ پر فرار اختیار کر لیتا ہے - جب خدا کے حکم کے بغیر تنکا نہیں ہل سکتا تو کارگاہ حیات میں ساری تگ و دو یعنی ساری عملی جانفشانی فضول ہے - اس صبر عمل کی شاہراہیں ویران ہو جاتی ہیں - انسانی حوصلوں کے سوتے خشک ہو جاتے - اور انسان تقدیر پرستی کا شکار ہو کر حقیر اور خامہ ہو جاتا ہے -

گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدّعا نہ مانگ
یقین ہے آدمی کو دستگاہ فقر حاصل ہو
دم تیغ توکل سے اگر پائے سبب کاٹے

---

(۱) "رباعیات سرمد" مقدمہ از ابوالکلام آزاد
(۲) علیگڑھ میگزین - غالب نمبر" غالب کا فرضی استاد - قاضی عبدالودود

نئے تیر کمان مین ہے نہ صیّاد کمین مین
گوشے مین قفس کے مجھے آرام بہت ہے

وحدت وجود نے جب بھی کائنات پر بحث کی ہے - تو کائنات کے تمام مادّی مظاہر کو خواب و خیال کا لقب دے کر مادّی مظاہر کی نفی کی ہے - چونکہ یہ تمام مظاہر اس ذات واحد کے پرتو ہین اس لئے نہ ان کی کوئی حقیقت ہے اور نہ اہمیت - اس طرح مادّی دنیا کی نفی کا ارتکاب کیا ہے - مہجور اور شکست خوردہ دل اس دنیا مین جہان ان کو کسی میدان مین فتح نصیب نہ ہوئی یہ سوچ کر فراری قسم کی تسکین حاصل کرلیتے ہین کہ یہ دنیا ہی سراب ہے دھوکا ہے عکس ہے لا یعنی ہے تو پھر ہم اپنی ان شکستون پر کیون روئین جو ہمین اس فانی دنیا مین نصیب ہوئین - غالب نے بھی اس خیال کی تکرار مین وہ سکون پایا ہے جس کا ہر ہارا ہوا انسان حقدار ہے -

ہے مشتمل نمود صور پر وجود بحر * یان کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب مین
ہے غیب غیب جسکو سمجھتے ہین ہم شہود * ہین خواب مین ہنوز جو جاگے ہین خواب مین
شاہد ہستی مطلق کی کمر ہے عالم * لوگ کہتے ہین کہ ہے پر ہمین منظور نہین
عالم غبار وحشت مجنون ہے سر بسر * کب تک خیال طرّۂ لیلی کرے کوئی

ویدانت کے نظام فکر نے بھی کائنات کو "مایا" کہا ہے - یعنی نمود بے بود قرار دیا ہے - یہ سارا عالم فریب ادراک کے سوا کچھ بھی نہین ہے - مندرجہ بالا اشعار مین سے کوئی شعر اٹھا لیجئے وہ دنیا کے تمام مادّی مظاہر پر بھی منفیانہ حکم لگاتا نظر آئے گا - اسی طرح جب غالب صوفیانہ جواز کے دائرے سے نکلکر اپنے ذاتی المناک تجربات کی کسوٹی پر دنیا کو پرکھتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے -

فرصت آئینہ صد رنگ خود آرائی ہے * روز و شب یک کف افسوس تماشائی ہے
کاشانۂ ہستی کہ بر انداختنی ہے * یان سوختنی جارہ گر ساختنی ہے
جز خاک بسر کرون بیفائدہ حاصل * ہرچند بمیدان ہوس تاختنی ہے
محیط دہر مین بالیدن از ہستی گذشتن ہے
کہ یان ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

مہاتما بدھ نے دنیا کو اس لئے تج دینے کا حکم دیا تھا کہ نہ صرف یہ فانی ہے بلکہ دکھون کی مان بھی ہے - دکھ سے اس وقت تک نجات ممکن ہی نہین جب تک زندگی کا یہ چکر ہی شکست نہ ہوجائے - مندرجہ بالا

اشعار مہاتما بدھ کے اسی خیال کے مختلف پہلوؤن کے آئینہ دار ہین - اسی سلسلے مین غالب کی دنیا سے انتہائی بیزاری بھی دیکھ لیجئے -

یارب ہمین تو خواب مین بھی مت دکھائیو
یہ محشر خیال کہ دنیا کہین جسے

شوپنہائیر نے "ارادہ" کو آرزوؤن کا خالق کہا ہے - اور آرزوئین انسانی مصیبتون کو جنم دیتی ہین - ایک آرزو پوری ہوتے ہی دوسری جنم پا لیتی ہے اور مصیبت کا یہ چکر جاری رہتا ہے اس وقت تک جب تک انسان کی زندگی ختم نہ ہوجائے - اسی مطلب کے مقابلے مین غالب کا یہ شعر سنئے -

قید حیات و بند غم اصل مین دونون ایک ہین
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیون

"فنا" بھی وحدت الوجود کا مہتم بالشان مسئلہ رہا ہے - اس لئے کہ جب ساری کائنات اپنے کثیر مظاہر کے علاوہ خود انسان اس حقیقت ازلی کے آفتاب کی ایک کرن ہے اور اس کی وحدت کے بحر زخار کا ایک قطرہ ہے جسے انسانی زندگی نے اپنے مرکز سے کھینچ کر اس کائنات پر لا پھینکا ہے تو انسان اپنے مسکن کی طرف دوبارہ واپسی ہی کو عشرت کائنات سمجھتا ہے - کیونکہ سمندر سے جدا ہو کر وہ قطرہ ایک حقیر ہستی ہے اور سمندر مین ملکر وہ بذات خود سمندر ہے - غالب نے اس مضمون کو اسی تمثیل کے لوازمات کے ساتھ پیش کیا ہے

عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہوجانا * درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہوجانا

اس کے علاوہ غالب نے فنا کے مضمون کو بڑے ولولے اور حسن سے باندھا ہے - ان کا یہ ذوق و شوق حیات و کائنات کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے مین مدد دیتا ہے -

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

نظر مین ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشان کا

فنا تعلیم درس بیخودی ہے اس زمانے سے
کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار گلستان پر

فنا کرتی ہے زائل سرنوشت کلفت ہستی
سحر از بحر شست و شوئے داغ ماہ صابون ہے

اس نقطۂ نظر سے متاثر ہوکرغالب نے حیات وکائنات کے متعلق تاریک فیصلے کئے ہین -

ہستی فریب نامۂ موج سراب ہے * یک عمر ناز شوخئی عنوان اٹھائے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا * کس سے کہون کہ داغ جگر کا نشان ہے
اسد جمعیت دل در کنار بیخودی خوشتر * دو عالم آگہی سامان یک خواب پریشان ہے
بہ سختی ہائے قید زندگی معلوم آزادی * شرر در بند دام رشتۂ رگہائے خارا ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمین کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنون بیزار ہے
میرے غم خانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجھے .....
جہان زندان موجستان دلہائے پریشان ہے
طلسم شش جہت یک حلقۂ گرداب طوفان ہے

اس فکری تجزیۂ کے نتیجے کے طور پر مرگ پرستی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے - دنیا سے بیزاری اس سے نجات کی آرزومند ہوتی ہے اورزندگی موت کی حسرت مین موت کے اظہار مین اورموت کے انتظار مین زندگی کا فرض ادا کرتی ہے - غالب بھی اس نقطۂ نظرکا شکار ہین -

ہوچکین غالب بلائین سب تمام * ایک مرگ ناگہانی اور ہے
مین نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹون
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

کس سے محرومئی قسمت کی شکایت کیجئے
ہم نے چاہا تھا کہ مرجائین سو وہ بھی نہ ہوا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہون مین کہ ہے
پر گل خیال زخم سے دامن نگاہ کا

عشرت قتل گہہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریان ہونا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کرکہ مین
شایان دست وبازوئے قاتل نہین رہا

آج وان تیغ وکفن باندھے ہوئے جاتا ہون مین
عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائین گے کیا

غالب کی بشریّت کے سینے مین سلگتے ہوئے غم کی پیدا کردہ قنوطیت عام صوفی کی طرح موت کی گود مین بھی تسکین کی نیند نہین سو پاتی - بلکہ بد نصیبی کے تلخ تجربات اورغم کی انتہائی شدت یہ سوچتی ہے کہ اگرمرنے کے بعد بھی راحت نہ ملی توکیا ہوگا - یہ احساس انھین کبھی کبھی سلنھین بری طرح ستاتا ہے - ذوق کے اس شعرپر

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائین گے
مرکے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائین گے

ان کی بیساختہ تحسین اسی بے پناہ غم کی غمّاز ہے - ان کا دیوان بھی غم کی اس دلستانی سے پاک نہین ہے -

خیاں مرگ کب تسکین دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا مین ہے اک صید زبون وہ بھی

اس طرح غالب کے کلام مین قنوطیت کی شیرازہ بندی کسی حد تک مکمل ہوجاتی ہے - تاہم ان کے دیوان مین ابھی بہت سے ایسے اشعار ہین جن کی تعمیرمین کسی نہ کسی قنوطی عنصرسے کام لیا گیا ہے - متعدّد غزلین ایسی ہین جو وحدت خیاں سے قطع نظر شروع سے آخر تک قنوطی موڈ مین بھی ڈوبی ہوئی ہین - غم ناک موڈ کا تسلسل بھی قنوطیت کا ایک پہلو ہوا کرتا ہے - اگراس کا تجزیہ کیا جائے توجذبۂ کلام کے پردے کے پیچھے چھپی ہوئی قنوطیت برہنہ ہوجاتی ہے - دکھے ہوئے دل اپنے غم کوابلاغ کی ردائین اڑھا کروقتی طورپراپنی تسکین کرلیتے ہین - شوپنہائیراسی تسکین کے لئے شاعرون کی قسمت پررشک کرتا ہے - غالب کی وہ غزلین دیکھئے جن کے مطلعے ہین -

نشے گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز * مین ہون اپنی شکست کی آواز
آہ کو چاہئے اک عمراثر ہونے تک * کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
ممکن نہین کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہون * مین دشت غم مین آہوئے صیّاد دیدہ ہون

درد سے میرے ہے تجھکو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

پھرکچھ اک دل کو بیقراری ہے * سینہ جویائے زخم کاری ہے
ظلمت کدے مین میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموش ہے

جب تک وہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

ان کے علاوہ ایسی بہت سی غزلین ہین جن مین اکثر اشعار قنوطیت کے رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین ان کے انتخاب سے ایک نیا دیوان مرتّب ہو سکتا ہے - ان کے شعری مزاج کی یہ افتاد قصائد مین بھی ان کی فکر سے چمٹی رہی - مثلاً یہ تشبیب دیکھئے -

بیدلی ہائے تماشہ کہ نہ عبرت نہ ذوق * بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دین
ہرزہ ہے نغمۂ زیر و بم ہستی و عدم * لغو ہے آئینۂ فرق جنون و تمکین
لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم * درد یک ساغر غفلت ہے چہ دنیا چہ دین
مثل مضمون وفا باد بدست تعلیم * صورت نقش قدم خاک بفرق تمکین
عشق بے ربطئی شیرازۂ اجزائے حواس * وصل زنگار رخ آئینۂ حسن یقین
کس نے دیکھا نفس اہل وفا آتش خیز * کس نے پایا اثر نالۂ دلہائے حزین

یہ چند اشعار بھی -

نقش فریادی ہے کس کی شوخئی تحریر کا
کاغزی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

گردش محیط رہا جس قدر فلک * مین پائمال غمزۂ چشم کبود تھا
ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی * مین ورنہ ہر لباس مین ننگ وجود تھا
خاکبازی امید کارخانۂ طفلی * یاس کو دو عالم سے لب نخبدہ وا پایا
دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم * آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
نا امیدی نے بتقریب مضامین خمار * کوچہ موج کو خمیازۂ ساحل باندھا
دیکھتے تھے ہم بچشم خود وہ طوفان بلا * آسمان سفلہ جس مین یک کف سیلاب تھا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موج بوئے گل سے ناک مین آتا ہے دم میرا
ہم نے وحشت کدۂ بزم جہان مین جون شمع
شعلۂ عشق کو اپنا سرو سامان سمجھا
اب مین ہون اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا

****
****
*****

باب هفتم

پلاسی اور بکسر کی لڑائیون کے بعد انگریزی سیاست نے قدم جمانے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ اپنی سیادت مین لکھنؤ کو مطلق العنان کرکے دھلی کا جواب پیدا کرے - جس کے نتیجے مین ایک طرف لال قلعے مین محصور "ظل سبحانی" کا جلال ماند ہوگیا اور عوام کا دل سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو جھیل لے جانے کے قابل ہوگیا اور دوسری طرف لکھنؤ کا "نواب وزیر" بادشاہ بنکر دھلی کے شہنشاہ سے ہمچشمی کی جسارت کرنے لگا - قوم و ملک کی سیاسی لغزشین تہزیب و تمدّن کے پیالے بھی چھلکا دیتی ہین - سترھوین صدی عیسوی مین دکن کی مسلمان حکومتون کا دھلی کی زبان اور دھلی کے اثر و اقتدار سے اختلاف بھی اس کا ثبوت ہے - میر کے زمانے مین لکھنوی تہزیب کے بدلے ہوئے میلانات اب واضح اور باشعور ہونے لگے تھے - ناسخ اور انکے اسکول کی تعمیر یا تشکیل مین تقریباً نصف صدی کے سیاسی عوامل کا بھی دخل تھا - لکھنؤ مین نہ کوئی روھیلہ تھا نہ جات نہ سکھ نہ مرھٹے - انگریزی اقتدار کے سائے مین ہر طرف عیش و نشاط کا بازار گرم تھا اس دور کے شاعرون مین کوئی ایسا دیدہ ور نہ تھا جو زرکار دامن کے نیچے پکتے ہوئے پھوڑے کو دیکھ سکتا تصوّف جس سے اردو شاعری فکر کی روشنی لیتی رہی - لکھنؤ مین بار نہ پا سکا - شاعری خیال کی پرواز اور زبان کی پینترے بازی کا شکار ہو کر رہ گئی - دھلی کی تباھی اور تصوف کے سوز و گداز نے شاعری مین جو مقدس غمگینی پیدا کردی تھی - وہ لکھنوی شعر کا مقدّر نہ بن سکی - میر کا درود بھی لکھنؤ کی بے اعتدالی کا سد باب نہ کرسکا مصحفی جرأت اور انشا پھکڑبازی پر اتر آئے -

پھر ناسخ اور اسکول کے ہاتھون غزل کی زمام قیادت میر کے بجائے سودا کو بخشی گئی -

کب ھماری فکر سے ہوتا ہے سودا کا جواب * ھان تتبع کرتے ھین ناسخ ھم اس مغفور کا

پہلے اپنے عہد سے افسوس سودا اٹھ گیا
کس سے مانگین جاکے ناسخ اس غزل کی داد ھم

ایشیائی تمدن کا تقریباً ہر شعبہ مذھب سے بالواسطہ یا بلا واسطہ توانائی لیتا رہا ہے درباری سرپرستی مین مرثیہ نے تصوّف کی جگہ لے لی - مرثیہ بذات خود کوئی قنوطی صنف سخن نہین ہے لیکن غدر کے بعد لکھنوی شاعری کی لئے مین مرثئے کی آواز سنائی دیتی ہے - بالکل اسی طرح جس طرح ایک انقلابی نظام فکر ہونے کے باوجود تصوّف نے اردو شاعری تک آتے آتے خانقاھیت کی ردا اوڑھ لی -

سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے جب یہاں کی نام نہاد بادشاہت کا تختہ الٹ دیا اور جاگیردارانہ تمدّن دم توڑنے لگا تو یہاں کی شاعری بھی خارجی حقائق کا ادراک کئے بغیر نہ رہ سکی ۔ لیکن اپنی جغرافیائی اور تاریخی مجبوری کی بنا پر لکھنؤ دہلی کی طرح کلکتے سے مستفید نہ ہو سکا ۔ یہاں کی خاک سے کوئی سیّد کوئی حالی اور کوئی آزاد نہ اٹھا ۔ جو طوفان میں گرفتار سفینے کو ساحل کا رخ بتاتا یوں بھی سیاست کا اثر صحافت کی طرح شاعری پر فوراً نہیں پڑتا ۔ اساتذہ کا رجا ہوا شعری مذاق کسی انقلاب سے سمجھوتہ نہ کر سکا جیسے حالی نے کیا تھا ۔ شعر گوئی دوسرے معمولات زندگی کی طرح جاری رہی ۔ البتّہ عزیز و ثاقب کا دور آتے آتے اس نشاط کا ردّ عمل رونما ہونے لگا ۔ حالی کی "یادگار غالب" کی مقبولیت نے اس نسل کو تفہیم ستایش کے نئے پیمانوں سے روشناس کرایا ۔ مرثیے کی روایت انیس پر ختم ہو چکی تھی ۔ شعر دنیا میں اپنا بھرم بھی باقی رکھنا تھا ۔ اس لئے غالب کے خیال کو میر کی زبان میں ادا کرنے کا بیڑہ اٹھایا گیا اوّل تو یہ دعوی ہی تنقیدی بصیرت کے فقدان کی دلالت کرتا ہے ۔ دوسرے جس محصور زمانے نے میر و غالب کو پیدا کیا تھا اسے اسیر کر لینا نہ ان کے بس کی بات تھی اور نہ کسی دوسرے کی ہاں یہ ضرور ہوا کہ میر کے سوز اور غالب کے علوئے فکر کی جستجو میں یہ لوگ غم انگیز الفاظ کے چکر میں گرفتار ہوئے اور قنوطی خیالات کے بھی شکار ہوئے ۔ آہ و بکا نالہ و فریاد تیغ و شمشیر قتل و خون جنازہ و میت اور قبر و فاتحہ کے ذکر سے وہ سماں بھی واقف تھا اور وہ ادب بھی ۔ رفتہ رفتہ وہ آہنگ پھلنے پھولنے لگا جو حالی اسکول کی زندہ اور بیدار شاعری کے زمانے میں اپنی ماتمیت سے پہچانا گیا ۔

فانی کی قنوطیت کا جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ اس طرز فکر کے نمائندہ شاعر ثاقب اور عزیز کا اجمالی ذکر کر دیا جائے ۔ عزیز لکھنوی کی شاعری بر روئے کار آئی تو اودھ کا جاہ و اقتدار رخصت ہو چکا تھا ۔ لکھنؤ کا ساٹھ درہم برہم ہو چکی تھی اہل فن تلاش معاش میں نتر بتر ہونے لگے تھے ۔ رام پور اور حیدرآباد کی قدردانی اور داد و دہش باعث کشش ہو گئی تھی ۔

وہ پر تکلّف اور پر شوکت تہذیب جس کی پشت پر جاگیرداری کا معاشی نظام تھا مفلس اور بد حال ہو رہی تھی - نئے اور بدلے ہوئے ہندوستان مین اس تہذیب کے نام لیواؤن کا مستقبل محفوظ نہین تھا - ہر طرف اندھیرا تھا - اس کے علاوہ میر کی زبان کی شعوری پیروی نے بھی اس رنگ کے نکھرنے مین مدد دی - نتیجے کے طور پر عزیز نے ایسے معشوق کا ذکر کیا -

آگے خدا کو علم ہے کیا جانے کیا ہوا * بس ان کے رخ سے یاد ہے اٹھنا نقاب کا
دل ہوئے جاتے ہین ٹکڑے دیکھنے والون کے بھی * کم نہین شمشیر سے زخم آپکی شمشیر کا
وہ بھرے بیٹھے ہین غصّے مین * موت کو کوئی مگر یاد آیا

اپنے عشق کی ربودگی کا بھی ذکر کیا ہے -
تاثیر میرے عشق کی پہونچی یہانتک اب * بھر کر نگاہ دیکھ لیا جس کو زرد تھا
کوسون دیار عشق مین آبادیان نہین * یادش بخیر جسسے مرا دل نہین رہا

اور عشق کا فلسفیانہ جواز بھی -
عشق ہے اک طلسم راز بقا * مٹ گیا دل مگر فنا نہ ہوا

اس مقام پر تصوّف کی طرف نگاہ اٹھتی ہے -
رنگ ہر پھول مین ہے حسن خود آرائی کا * چمن دھر ہے محضر تری یکتائی کا

اور یہان سے بھی وہ عام شاعرون کی طرح نفیٔ حیات کا سبق لیتے ہین -
کر دیا دل نے زندۂ جاوید * قید ہستی سے مین رہا نہ ہوا
دل کو جو نہین سکون ہوا جسم سرد تھا * وہ مدت حیات تھی جبتک کہ درد تھا
کھلین آنکھین مری اسوقت جب نکلا ہے دم میرا
ہوا تعبیر خواب عالم ہستی عدم میرا
ہچکی کا تار ٹوٹ چکا روح اب کہان * زنجیر کھل کے گر پڑی دیوانہ چھٹ گیا
مجھکو اس صفحۂ ہستی سے ہو کیا دلچسپی * جس کو تصویر خیالات پریشان سمجھا

یہ اشعار صرف ایک مجموعے کی ردیف الف سے نقل کئے گئے ہین - یہ رنگ عزیز کے کلام مین عام ہے - اس لہجے کی بازگشت ثاقب کے یہان ملتی ہے -

عزیز لکھنوی کے اس رنگ کی دوسری بھرپور شخصیت ثاقب کی ہے - اس رنگ کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ اسکول کے نشاط کی یکسانیت سے جمہور اکتا چکے تھے اور شاعر اس میدان مین اپنے امکانات روشن

نہین پا رہے تھے اس لئے انھون نے ایک تنوع اور ایک تغیّر کی جسارت کی ۔
دیوان ثاقب کے دونون مقدمہ نگارون نے ثاقب کے کلام مین میر کی شکست خوردگی
یا قنوطیت کی پرچھائیان پا کر اس کی بڑائی کی سند دی ہے ۔

ثاقب کی مکمل اور تفصیلی زندگی سامنے نہ آسکی ورنہ اس کی ان
درد مندیون کی جستجو کی جا سکتی ۔

خوشی ہے جسکے لئے ایک لفظ بے معنی * جہان مین آہ وہ برباد روزگار ہونمین
کر دیا یاس نے اسباب جہان سے فارغ * اب مجھے شکوۂ ناکامئ تدبیر نہین
وہ محروم تمنا جسکی قسمت مین نہو راحت * تلاش مدعا کس طرح کرتا غم کے دفتر مین
معاذ اللّٰہ وفور یاس و حسرت کا یہ عالم ہے
کہ شبنم بھی نہین روتی ہے اب خاک شہیدان پر
ہر نقشہ خیال بنا اور مٹ گیا * امید اب کہان دل خانہ خراب مین
کشمکش حیات مین اے اجل اختصار کر * یاس کا رنگ آ چلا کوشش چارہ ساز مین

داخلی زندگی کی ان ناکامیون کو خارجی عالم کی رنگینیون مین بھلایا
جا سکتا تھا ۔ لیکن وہ جیسا کچھ تھا اس کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ آخر ثاقب
نے بھی زندگی کی ساری مبارک مقدس اور افادی قدرون کو پس پشت ڈال کر
اس کی سمیت اور منفیت کا اعلان کر دیا ۔

ہستی جسے سمجھے تھے تصویر تخیل تھی * عالم جسے کہتے تھے اک نقشۂ باطل تھا
بے فائدۂ ہلاک فریب شہود تھا * دنیا تھی اک طلسم زیان تھا نہ سود تھا
آب و گل مین ہے مقیّد مری ہستی کا وجود * ہان بظاہر تو مرے پانؤن مین زنجیر نہین
حقیقت عالم ہستی کی اہل دل سمجھتے ہین * فنا کے ذوق مین ہر جلوے کو باطل سمجھتے
مٹا کر اپنی ہستی کو غبار کاروان کر لون
نشان اس کا ملے گا پہلے خود کو بے نشان کر لون
ایسے مایوس کو کیا دے گی فریب اے دنیا * زیست کا راز سمجھتا ہے جو مر جانے کو
آباد اور شاد ازل مین بھی ہم نہ تھے * ویران ہے ابتدا سے وہ بستی ہے زندگی
موت ہے میرے لئے جب حاصل صد زندگی * پھر فریب زیست کیا دے گی تو اے دنیا مجھے

مرثئے کے عظیم موضوع اور انیس کے جادو نگار قلم نے جو تاثر پیدا کیا
اس اسکول نے اسکی تلاش مین دوسرے بہت سے الفاظ اور موضوعات کے علاوہ

جنازہ وکفن اورمیت ومزارکے بیان مین غلوسے کام لیا - یہ الفاظ بذات خود قنوطی نہین ہین لیکن ان کی تکراراوران کے استعمال کے لئے خیالات کا تانا بانا شاعرکے مزاج کی طرف اشارہ کرتا ہے - مثلاً یہ چند اشعار

محبت پھول برساتی ہے آکر میرے مدفن پر * مگر شاید یہ منظر چرخ بے بنیاد رہنے دے
نقش ناکامی مٹے سنگ لحد مین کس طرح * یعنی اک دنیائے حسرت میرے اس مدفن مین ہے
مین کس غریب کی تربت کا سبزہ ہون یارب * زمانہ کس لئے کرتا ہے پائمال مجھے
یہ کون رو رہا ہے لپٹ کر مزار سے * مضطر ہے روح گریۂ بے اختیار سے
قبر پر آنے کا وعدہ ہے تو مطلب یہ ہے * اہل حرمان کو میسر نہ ہو آرام ابھی
ٹھہر کر دیکھتا جا بیکسی وخانہ ویرانی * ارے او جانے والے شام کو گور غریبان سے

قبل اس کے کہ فانی کی قنوطیت کا تفصیلی جائزہ لیا جائے بہتر ہے کہ اردو تنقید کے چند اہم نامون کی فانی کے کلام پر رائے نقل کردی جائے -

"فانی یاسیات کے امام ہین افسردگی اورحزن کی ترجمانی ان کا خاص حصّہ ہے - اردو شاعری مین یہ چیزین اس درجہ فرسودہ اورپامال ہوچکی ہین کہ یہی اب اس کی سب سے بڑی محرومی تسلیم کی جاتی ہے" -

پروفیسر رشید احمد صدیقی - مقدمہ - باقیات فانی

"ان کی شاعری مین اگرچہ بہت سے مضمون اورعنوان ہین - مگر ایک عنوان سب سے نمایان ہے - یہ یاس وحرمان مایوسی و ناکامی کا عنوان ہے .....فانی کے یہان قنوطیت اس طرح نہین آئی جس طرح لکھنوی شاعری مین تصوف آیا - یہ روایت نہین ان کی زندگی ہے"-

پروفیسر آل احمد سرور - فانی نمبر - علیگڑھ میگزین
ص - ۱۱ و ۱۲

فانی کو تو یاسیات کا امام مان لیا گیا ہے - ارباب نقد وبصر کی متفقہ رائے ہے کہ فانی قنوطی شاعر ہین - یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ فانی کی شاعری اس ارضی زندگی کی کوئی بشارت نہین ہے -وہ ہمارے دنیوی وجود کو خیروبرکت کا وسیلہ نہین

سمجھتے بلکہ اس کے برعکس اس کو سرتاسر فتنہ و فساد سمجھتے ھین "۔
پروفیسر مجنون گورکھپوری ۔ فانی نمبر ۔ علیگڑھ میگزین
ص ۔ ۱۴۱ و ۱۴۲

ان اقتباسات کی روشنی مین یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ھے کہ فانی کی شاعری اردو کی ساری شاعری مین بھرپور قنوطیت کی بہترین مثال ھے ۔ شاید فانی ھی کی شاعری پر قلم اٹھاتے ھوئے اردو تنقید نے بلا جھجک "قنوطیت" کی اصطلاح کا لفظ استعمال کیا ھے ۔ شاعری اپنے دور کے آھنگ و رنگ سے زندگی لیتی ھے اس لئے عہد فانی کے میلانات و رجحانات کا ذکر ناگزیر ھے ۔

فانی کے شعور شعری نے جب قلم اٹھایا تو انیسوین صدی غروب ھو رھی تھی اور بیسوین صدی کے نئے امکانات طلوع ھو رھے تھے ۔ التباسات کا وہ شاندار زمانہ جسے عہد وکٹوریہ کا لقب حاصل ھے اپنے تمام جھوٹے پیمانون اور خود فریبون کے ساتھ دم توڑ رھا تھا ۔ جاگیرداری نظام اپنی موت مر چکا تھا ۔ صنعتی اور مہاجنی تہذیب اپنے اقبال کی تمام منزلین طے کر چکی تھی ۔ اس سے وابستہ انسانیت کی سنھری امیدین آخری ھچکیان لے رھی تھین ۔ زندگی کی پرانی قدرین شکست ھو رھی تھین ۔ تہذیب کا مروجہ نظام ڈگمگا رھا تھا ۔ جنگ عظیم مین پھٹ پڑنے والا طوفانی مواد آھستہ آھستہ پک رھا تھا ۔ نوجوان اور حساس ذھن استفسار و تشکیک اور تنقید و تردید کا شکار ھو رھے تھے ۔ اور اھل بصیرت روایتی تمدن کو مرض سمجھنے لگے تھے ۔ مروجہ نظام سے بغاوت اور نفرت ایک مثالی دنیا کا خواب دیکھنے لگی تھی اور اس خواب کو حقیقی زندگی کی سنگینی پر ترجیح دینے لگی تھی ۔ اس کا اثر ھم کو " Romantic Melancholy " رومانی سوداویت کے میلان مین ملتا ھے ۔ یہان تک تو غنیمت تھا مگر اسی میلان کے دوش بدوش اس بغاوت و بیزاری کے سائے مین ایک اور رجحان پرورش پا رھا تھا جسے ھم الم پرستی اور مرگ اندیشی کہہ سکتے ھین ۔ غدر کی ناکامی نے ایک مدت کے لئے ذھنون پر نیستی کا ماتمی سکوت طاری کر دیا ۔ جو اپنی شکست اور پسپائی کا لازمی نتیجہ تھی ۔ اسی شکست اور پسپائی کے احساس کو ختم کرنے کے لئے ھندؤن اور مسلمانون کی وہ معاشرتی اصلاحی تحریکین وجود مین آئین جن کا خیال تھا کہ اس پستی اور ذلت سے نجات

پانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم حکومت کو اپنا سرپرست مان لین - اس طرح جہان ایک صرف مغربی تعلیم سے آراستہ ایک نوجوان نسل تیار ہوگئی وہان دوسری طرف نئی بے اطمینانیان اور شورشین بھی پھیلنے لگین خفیہ (۱) سازشون اورعلانیہ بغاوتون کا ایک جال بکھرگیا - ان حالات نے خود ساختہ مستقبل کی ساری تابناکی لوٹ لی اورقوم کی سوچنے والی آنکھین آنے والے ہولناک اندھیرے کے راستے پرجم گئین -

لیکن یہ صرف زمانے کا ایک رخ تھا - اگر یہی سارا زمانہ ہوتا تو فانی کی قنوطیت کو وہبی قنوطیت کا نام نہ دیا جا سکتا - لیکن اس کے آثار زمانے کے دوسرے رخ پرنگاہ ڈالنے مین ملتے ہین - یعنی حالی اسکول نے شاعری اورسرسید نے سارے ادب مین نئے امکانات کو روشن اورقوی کردیا تھا - پھرآگے چل کراسی بنیاد پراقبال نے نہ صرف شاعری بلکہ پیغام کے نئے ایوان تعمیرکئے نئی محفلون مین ساقی گری کی - اورفانی نہ صرف یہ کہ اپنے کلبۂ احزان سے باہرنہ نکلے بلکہ اقبال کی شاعری (۲) ہی کو تسلیم کرنے سے انکارکردیا -

سنہ ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک کے زمانے کواگرنگاہ مین رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فانی اوراقبال دونون اپنی شہرت کی انتہا پر ہین - اورفانی کا ہندوستان شوپنہایر کے جرمنی کی طرح بڑے بڑے سیاسی خواب دیکھ رہا ہے - اورفانی و شوپنہایر دونون زندگی اوردنیا کی نفی پر آمادہ ہین - جہان تک داخلی زندگی کا سوال ہے تو وہ عمر جو شخصیت کی تعمیرمین اہم حصہ لیتی ہے فانی نے شوپنہایر سے زیادہ خوبصورت اور پرعشرت پائی ہے - معاشی فارغ البالی اورسماجی توقیرکے علاوہ شوپنہایر کی طرح فانی کی کوئی سوتیلی مان بھی نہین تھی - اگران کا اوّلین کلام جوفانی کے والد نے نذرآتش کردیا تھا مل سکتا توان کی وہبی قنوطیت کے متعلق دوٹوک فیصلہ کیا جا سکتا تھا - تاہم ان کی قنوطیت پروہبی قنوطیت کا گمان غالب ہے -

---

(۱) یہ بغاوتین مغربی علوم سے مسلّح نوجوانون کی پیدا کردہ تھین

(۲) فانی نمبر - علیگڑھ میگزین - پروفیسرآل احمد سرور - ص - ۵

لکھنؤ کا نشاطیہ اسکول تصوف کے اسرار اور رموز کی عزت پر ملتفت نہ ہوا جب اس طرز فکر کے ردّ عمل کے طور پر "مانی اسکول کی ابتدا ہوئی تو تصوف کی روایت کا پھر احیا ہوا ۔فانی کی قنوطیت مین تصوّف کی روایتی قنوطیت کو بڑا دخل ہے ۔ کچھ لوگون کا تو یہان تک کہنا ہے کہ درد میر اور غالب کے بعد فانی سے زیادہ کسی دوسرے کے کلام مین (۱) تصوّف کی رنگ آمیزی نہین ہے ۔ ان کا کلام صوفیانہ مسائل سے بھرا پڑا ہے ۔ "ہمہ اوست" صوفیا کا مہتم بالشان مسلہ رہا ہے ۔ ہارے ہوئے دل الام و مصائب سے چھٹکارا پانے کے لئے تصوّف کے سہارے پر اس دنیا کے وجود ہی سے انکار کر دیتے ہین ۔

بشر مین عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہے
یہ دریا ہے تو قطرہ لیکن اس قطرے مین دریا ہے
گو جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب مین ہین
نظارہ نظر مین شامل ہے نظارے مین شامل کوئی نہین
تجلّیات وہم ہین مشاہدات آب و گل * کرشمۂ حیات ہے خیال وہ بھی خواب کا
ایک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب * یون میرے سر آنکھون پر تمیز حق و باطل
اٹھتی نہین ہے تہمت نظّارہ جمال * منھ دیکھتا ہون جلوۂ نظارہ ساز کا
حسن مطلق بھی ہے حجاب ان کا * اعتبارات بر ملا کی قسم
تعیّنات کی حد سے گزر رہی ہے نگاہ * بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والون کا
قطرہ کیا موج کسے کہتے ہین کیا ہے گرداب * ڈوب کر دیکھ نہ دریا ہے نہ طغیانی ہے

اس نکتے کا دوسرا فلسفیانہ یا صوفیانہ پہلو یہ ہے کہ خارجی عالم کے سارے مظاہر اس ذات مطلق کے بحر نا پیدا کنار مین ڈوب جانے کی ازلی آرزو رکھتے ہین ۔ یعنی یہان کا ہر "ہست" نیستی کی طرف مائل ہے ۔ یہ احساس بھی مادّی عالم کی اثباتیت کا خون کرتا ہے اور شخصیت اپنے ارد گرد فراریت کا خول بن لیتی ہے ۔

ہے اتصال قطرہ و دریا پہ منحصر * وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہین جسے
اس جگہ کو حاصل ہے اعتبار ساحل کا * حد جہان پہ قطرے کی ملی گئی ہے دریا سے

---

(۱) "فانی نمبر" علیگڑھ میگزین ۔ پروفیسر ضیا احمد بدایونی ۔ ص ۔ ۱۸۷

خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کیا اسے ہونا کہتے ہین
ہست نہ ہو تو ہست نہین یہ ہستی کیا ہستی ہے

صحرا کا اجتہاد ہے ذرّے کی ہر نمود * ذرّے کا اعتبار ہے صحرا کہین جسے
کیفیت ظہور فنا کے سوا نہین * ہستی کی اصطلاح مین دنیا کہین جسے

فانی کی صوفیانہ شاعری کا دوسرا ہم موضوع مسلۂ جبر ہے - یاس اور ناکامی ایک سوچنے والے ذہن کو زبردستی اس مسلئے سے روشناس کرا دیتی ہے - وہ دیکھتا ہے کہ جو وسایل اور اعمال ایک شخص کی ضمانت کامرانی ہین وہی میری تباہی کے اسباب تو وہ یقین کرلیتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور اس کی ساری کوششون کے باوجود اس کے مقدر کی لگام کسی دوسرے ہاتھ مین ہے - یہ مسلۂ اردو شاعری مین بہت مقبول رہا ہے فانی نے بھی ساری ناکامیان اور محرومیان اسی "جبر" کے کوزے مین بند کر کے اور دکھ درد کا بیان کرکے وہ ذہنی تسکین حاصل کرلی - جسے شوپنہاور نے Artistic Perception کہا تھا اور جس کی بدولت اس نے شاعرون کی قسمت پر رشک کیا تھا -

جسم آزادی مین پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کرین

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی * سانچے مین اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہین
محشر مین جبر دوست سے طالب ہون داد کا * آیا ہون اختیار کی تہمت لئے ہوئے
اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی * لطف سعی عمل اس مطلب حاصل سے اٹھا
مجبوری عریان کو یہ خلعت مختاری * اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہ گاری
گھٹتا ہے جی کہ ہم نہین مختار انفعال کے * اک موج خون بھی ہے عرق انفعال مین
گناہ گار کی حالت ہے رحم کے قابل * غریب کشمکش جبر و اختیار مین ہے

تقدیر و تدبیر بھی اسی سلسلے کی کڑی ہین - فانی نے ہمیشہ تدبیر پر تقدیر کو فتح بخشی ہے - صوفیا نے بھی تقدیر کو تدبیر پر برتری دی ہے - کیونکہ جب انسان مجبور ہے تو مشیت کے سامنے اس کے اپنے دست و بازو کی جنبش کیا معنی رکھتی ہے -

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو * اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے
حسن تدبیر نہ رسوا ہو جائے * راز تقدیر الہی کو نہ پوچھ

بس ان پہ نہ انکی یاد پہ ہے تقدیر کے کیا کیا پہلو ہین
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہین تدبیر سے غافل کوئی نہین

فانی کو اپنے شعری ورثے مین جو قنوطی مسائل ملے تھے اس پر انھون نے اپنی انفرادیت کے غلاف چڑھا کر اپنالئے - ان قنوطی مسائل پر نگاہ پڑتا ہی ان کی افتاد طبع کو فاش کردیتا ہے تاہم اگر ان کی داخلی زندگی مین کامرانی کا گزر ہوتا تو ان کا یہ آہنگ کسی حد تک مدھم ہوجاتا - لیکن ایسا نہین ہوسکا - اس کے اسباب ہین -

اوائل عمر ہی سے چھپ چھپ کر شعر گوئی اس قیاس کو تقویت بخشتی ہے کہ وہ جنسی محرومی یا دوسرے الفاظ مین محبت کا شکار ہوگئے تھے - اس دعوی کے ثبوت کے لئے کوئی شہادت نہین پھر بھی گمان کیا جا سکتا ہے - لیکن آگے چل کر ان کی زندگی کا یہ راز بے نقاب ہوجاتا ہے -

"حسن وعشق کے رنگین معاملات سے وہ آشنا رہے تھے ان کے شعر کا سوز اک طرف اس حقیقت کا غماز ہے تو ان کو بہت قریب سے دیکھنے والے اور بہت زمانے سے جاننے والے خارجی شاہد موجود ہین - آگرے کے ایک بازار مین کسی بالا خانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فانی کے ایک دوست نے ان کے کسی دوسرے دوست کو ایک چہرہ دکھایا تھا جس کو فانی کی نگاہ انتخاب سے نسبت دی جاتی تھی "-

اسی سلسلے کی دوسری کڑی بھی ملاحظہ ہو -

"فانی کے ایک راز دار نے لکھنؤ کے دوران قیام مین ان کے مسکن پر ایک صورت دیکھی تھی جو ایک نامور تعلوقہ دار کی دعوت گوش ونظر کے لئے گرو ہوچکی تھی - مگر پھر بھی فانی کے لطف صحبت سے خود کو محروم کرلینے پر قادر نہ تھی فانی کے ذوق جمال کی یہ نمائش گاہ ان کے بہت سے احباب کو معلوم تھی اور ہے"-

ان دونون محبتون کے زخمون کو سمجھنے کے لئے فانی کو جاگیرداری کی رچی ہوئی تہذیب کے پس منظر مین رکھنا پڑے گا - ایک طرف ان کی

اپنی نوجوان امیدون کا لہلہاتا ہوا چمن زار تھا دوسری طرف خاندانی توقیر سماجی عظمت پشتینی شرافت اورعزت نفس کی کڑی کسوٹی - ظاہر ہے کہ اس اجتماع ضدین مین مصالحت کا دوسرا نام ان کی محبت کا خون ہے - جسے انھون نے اپنا جی کڑا کرکے اپنے ہاتھون سے بہایا ہوگا - جس سے ان کی شاعری کا تمام دامن خونچکان ہوگیا - ان کے یہان معشوق کا جو تصوّر ملتا ہے وہ ایک طرف تو روایاتی خصوصیات کا حامل ہے اوردوسری طرف ان اقتباسات کی روشنی مین حقیقی بھی نظرآتا ہے - طوایف کتنی ہی باوفا کیون نہ ہو اپنے پیشے کی مجبوریون کے ہاتھون اپنے دل کے خلاف اپنے عاشق کو وہ سب کچھ نہین دے پاتی جو سماج کی ایک با عزت لڑکی دیتی ہے یا جو عاشق اس سے مطالبہ کرتا ہے - ان اشعار مین اس کی صورت اورکردار پہچانا جا سکتا ہے -

مفہوم کائنات تمھارے سوا نہین * تم چھپ گئے نظرسے توسارا جہان نہ تھا
ہل گئی پھرمیرے دل کی دنیا * درد پھر لیکے ترا نام اٹھا
فانی یقین وعدۂ فردا کوکیا کہون * اب زندگی ہے نام فقط انتظار کا
موت کا انتظار باقی ہے * آپ کا انتظار تھا نہ رہا
فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے * کل نام لیکے تیرا دیوانہ وار رویا
ذکرجب چھڑ گیا قیامت کا * بات پہونچی تری جوانی تک
سنکے تیرا نام آنکھین کھول دیتا تھا کوئی * آج تیرا نام لے کرکوئی غافل ہوگیا
اور ہی بل ہے تری زلفون مین آج * کون گرفتار بلا ہو گیا

میرے خیال مین محبتون کا نزول ہی ان کی معاشی تباہی کا سبب ہے - فانی کے زمانے مین شرفا کے بچے آداب مجلس کی تحصیل کے لئے طوائفون کے گھرون پربھیجے جاتے تھے اوریہ خام دل ودماغ ان کی تزین وآرائش اطوارواندازاورحسن وجمال کا شکار ہوجاتے تھے - لکھنؤ کی "معشوقہ" کے لئے تومعلوم ہے کہ وہ ایک تعلوقے دارکی منظورنظرتھی آگرے والی بھی فانی کے رحم وکرم پرتو نہ ہوگی - اس کا قوی احتمال ہے کہ یہان بھی کوئی ایسا رقیب ہوجوفانی سے زیادہ دولت مند ہو - اپنا رکھ رکھاؤ نمود ونمائش اوراپنی آن پرمٹ جانا بھی جاگیردارتہذیب کا خاصہ رہا ہے - فانی اس تہذیب کی گود مین جوان ہوئے تھے - باپ کی موت کے بعد آناً فاناً ایک خاص بڑی جائداد کا ہاتھون سے نکل جانا اس اندھی محبت

اور بد دماغ شرافت کا ثبوت ہے - اقتصادی جوٹ ایسی ہوتی ہے جو بڑی بڑی دیوزاد شخصیتون کو پگھلا کر رکھ دیتی ہے - فانی تو ایک جذباتی آدمی تھے - محبت کی ناکامی اور دولت کی محرومی نے ان کے غم کو دوآتشہ بنا کر ان کے اضطراب کو سیماب کر دیا - یہ بیقراری اور بے چینی انھین دربدر گھسیٹتی پھرتی رہی - اشعار کے علاوہ ان کی زندگی خود اس کا ثبوت ہے - وہ بدایون اٹاوہ لکھنؤ آگرہ اور آخیر مین حیدرآباد تک اسی اضطراب اور بے چینی کے ہاتھون پہونچتے رہے - لیکن وہ سکون انھین کہین نہ ملا جس کی تلاش نے ان کے پانؤن مین چکر ڈال دیا تھا -

(۱)

شدت غم کا ہیجان شخصیت مین کجی پیدا کر دیتا ہے - انسان کو اپنے افعال و اعمال پر نہ یقین رہتا ہے اور نہ قدرت - اپنی مادی زندگی کی تعمیر و ترقی کے لئے اکثر ان وسائل کے استعمال کا منکر بھی ہو جاتا ہے جن پر اس کا حق ہے - نفسیات کے ماہر اسے احساس کمتری کا نام دیتے ہین - فانی کی غمناک شخصیت مین ان اجزا کا وجود بھی ہے - مثلاً وہ اٹاوہ کے اسٹیشن پر محض ٹہلنے کی غرض سے ٹہل رہے ہین - بریلی کی گاڑی آئی اور وہ بے خودی اور بے اختیاری مین بیٹھ کر بریلی پہونچ گئے - یا کلکتہ مین ان کے اعزاز مین مشاعرہ ہو رہا ہے - شہر مین پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے - وہ بغیر اطلاع و بغیر ضرورت دفعتاً واپس آجاتے ہین - ان کے رفقا ان کے لئے مکان کا بندوبست کرتے ہین اور وہ اسے ٹھکرا کر چلے جاتے ہین - یہ سب کچھ اسی بے پناہ غم کا اظہار ہے جو ہڈیون کو پگھلا دیتا ہے - ساری شخصیت مجبور محض بنکر غم کو زندگی اور زندگی کو موت سمجھ بیٹھتی ہے -

ہم کشتگان غم پہ یہ الزام زندگی * بے مہر کچھ تو پاس حقیقت ضرور تھا
کس کے غم کی کہانی ہے زندگی فانی * زمانہ ایک فسانہ ہے مرنے والون کا
نذر درد دل ہے غم دنیا کیا * اک مٹایا اک داغ پیدا کیا
موت کی نیند آگئی بیمار کو * غیب سے سامان شفا ہو گیا
فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہین بے گور و کفن
غربت بھی جسے راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

---

1. Hop Kins:- The religion of India p. 158

جب زندگی کا نام غم اورغم کا نام زندگی ہوجائے تو دنیا سے نفرت ہوجانا فانی جیسے انسان کے لئے یقینی ہے -

دنیا کے رنج و راحت کچھ ہون تیرے بلا سے * دنیا کی ہر ادا سے منھ پھیر کر گزر جا
اس بحر بیکران مین ساحل کی جستجو کیا * کشتی کی آرزو کیا ڈوب اور پار کر جا
یون سب کو بھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے * دنیا ہی مین رہنا ہے تو دنیا سے گزر جا

غم کی اس افراط مین فانی سوچنے لگتے ہین کہ ساری کائنات کی مصیبتین ان کے مقدر کے لئے وقف ہین - خارجی عالم کی ہر تباہ کن جنبش ان کی ہستی کو اور تباہ کرنے کی درپے ہے - جرمنی کا مشہور قنوطی فلسفی شوپنہاور اس غم سے مجبور ہوکر کہتا ہے -

"زندگی ایک سمندر ہے جو چٹانون اور گردابون سے بھرا پڑا ہے - انسان پوری احتیاط اور کاوش سے ان سے بچتا ہے لیکن اندھی مشیت اسے بچنے نہین دیتی اور اگر وہ بچ بھی جاتا ہے تو دوسری بڑی مصیبتین اس کا راستہ روک کر کھڑی ہوجاتی ہین"-

دوسرا قنوطی فلسفی ہارٹمن کہتا ہے -
"انسانی زندگی مین مسرت و شادمانی کے ذخیرے سے زیادہ غم والم کا ذخیرہ ہے"

پٹراک (Petrarch) نے تو یہان تک کہہ دیا
"ہزارون لذتین ایک الم کے برابر کہان ہین"

ان اقتباسات کے بعد فانی کے چند اشعار کتنے حیرت انگیز ہین -

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیون کو لاگ * ہر شاخ ہر شجر پہ میرا آشیان نہ تھا
آسمان سے ہو چکا ساری بلاؤنکا نزول * جس پہ آتی تھین بلائین وہ مرا غمخانہ تھا
صوفان ہی ایک کیا مجھے صوفان سے کم نہین * لنگر ہوا سفینہ ہوا ناخدا ہوا
مجھکو مرے نصیب نے روز ازل نہ کیا دیا * دولت دوجہان نہ دی اک دل مبتلا دیا

قیامت کی کشش رکھتے ہین دانے میرے خرمن کے
کہین کی بجلیان ہون آکے چھا جاتی ہین خرمن پر
بنایا تھا نشیمن شاخ گل پر کس گھڑی یارب
بجھی جاتی ہے ہر برق بلا شاخ نشیمن پر

اسی منزل پر شاعر غم کو متاع گرانمایہ قرار دے کر دوسرون کو تلقین کرتا ہے کہ وہ بھی غم کی عبادت کو اپنا شیوۂ حیات بنالین - اس جذبے کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی فرار کا ایک رخ ہے - پسپائی کا بھرپور احساس ہے - جو غم کی تنسیخ کے لئے کسی کوشش کے بجائے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے - اور اس کمزوری یا غم پرستی کو غیرت (۱) ذوق راز کائنات اور اسرار حیات کے خوبصورت نام دیتا ہے -

غیرت ہو تو غم کی جستجو کر * ہمت ہو تو بیقرار ہو جا
مذاق تلخ پسند نہ پوچھ اس دل سے * بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا
غم کو بنا کے محرم اسرار کائنات * ہر نقش غم کو پیکر انسان بنا دیا
فانی کی ذات سے غم ہستی کی تھی نمود * شیرازہ آج دفتر غم کا بکھر گیا
شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاک دل * روح غم کو پیکر خاکی میں انسان دیکھ کر

زندگی کی نفی کرکے درد مدھم ہو جاتا ہے - ویدانت کے فلسفیون نے شودر ذات میں دکھ سہنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اس نسخے کو تجویز کیا - ایرانی تصوّف اور ان کے شعراء کے واسطے سے اردو شاعرون نے اسی پناہ گاہ میں اپنے غم سے نجات ڈھونڈھنے کی کوشش کی - فانی جو اپنے کو پرستار شب ہجر دل سوگوار اور دفتر غم کہتے ہیں اور اپنی زندگی کو شب فرقت الم جانگداز جنازہ آہ بے تاثیر داستان غم شب انتظار اضمحلال رنگین اور وجود درد کا لقب دیتے ہیں - انھون نے پہلے تو تصوّف کی ما بعد الطبیعات کی روشنی میں زندگی کے مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کی

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم * رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

مگر آگے چل کر انھون نے مکمل صور پر زندگی کی ساری اثباتی قدرون کو نظر انداز کرکے اس کی سمیت اور منفیت کا اعلان کر دیا - انھون نے اپنے دل گیر اور درد مند تجربات کی روشنی میں زندگی اور دنیا پر نفی کا فتوی لگا دیا - زندگی اور دنیا سے نجات کی کوشش بھی کی ہے اور تبلیغ بھی - یہ اشعار ملاحظہ ہون -

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا * ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

---

1. Macdonald:- Religion of Veda p. 264.

اک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا * زندگی کاہے کو ہے اک خواب ہے دیوانے کا
زندگی بھی تو پشیمان ہے یہاں لاکے مجھے * ڈھونڈھتی ہے کوئی حیلہ مرے مرجانے کا
ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی * زندگی نام ہے مرمرکے جئے جانے کا
مرگ حیات ہے محروم مدعائے حیات * وہ رہگذر ہوں جسے کوئی نقش پا نہ ملا
اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا * ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیان نہ ہوا

لیکن حیات و کائنات کی نفی مادی طور پر حیات و کائنات کو نہ معدوم کر سکتی ہے نہ انکا مداوا۔ اب شاعر کے پاس صرف ایک حربہ رہ جاتا ہے کہ وہ مادی اور حقیقی طور پر اس زندگی سے نجات پانے کی کوشش کرے دوسرے الفاظ میں موت کی حسرت کرے ۔ فانی نے یہ بھی کر دیکھا ۔ پروفیسر احتشام حسین نے فانی کی مرگ اندیشی کے سلسلے میں ایک بات کہی ہے ۔

"اگر ان کی شاعری پر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت بہت پہلے واقع ہو چکی تھی ۔ یا واقع ہونا شروع ہو چکی تھی ۔ اور یہ باشعہ سال مرگ مسلسل کی طرح گزرے ۔ ان کی شکست کھائی ہوئی انفرادیت نے اپنے اندر خواہش مرگ پیدا کرلی تھی ۔ اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے ذہن مختلف صورتیں اختیار کرتا تھا ۔ فانی کا نام شوکت علی خان تھا شوکت تخلص ہو سکتا تھا ۔ لیکن انھوں نے فانی تخلص رکھ کر اس خواہش کی تسکین کا سامان کیا "

فانی نے موت کی حسرت الفت اور اس کی فرقت میں دل پر بیتے ہوئے غموں کے بیان کے سلسلے میں سینکڑوں اشعار کہے ہیں ۔ جن کے جذبے کی شدت اور خلوص کے علاوہ خود ان کی تعداد انھیں "مرگ پرست" شاعر کا لقب دینے کے لئے کافی ہے ۔ تمام اشعار کی نقل مشکل ہے ۔ صرف کچھ درج ہیں ۔

ادا سے آزمیں خنجر کی منھ چھپائے ہوئے * مرے قضا کو وہ لائے دلہن بنائے ہوئے
آج روز وصال فانی ہے * موت سے ہو رہے ہیں راز و نیاز
سب دیکھئے جی رہا ہے فانی * اللہ رے اس کی سخت جانی
ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی * زندگی نام ہے مرمرکے جئے جانے کا

آ - اب اسے مرگ ناگہانی آ * سخت مضطرب ہین تری شیدائی
چارہ درد زندگی تو ہے * کر اگر ہو سکے مسیحائی
فانی تلخ کام کی امید * تو اگر آگئی تو بر آئی

لکھنؤ کی روایاتی ماتمیت اور اپنے مزاج کی قنوطیت کے اثر سے فانی کے کلام مین جنازہ میت کفن مزار اور قبر و فاتحہ کا ذکر بھی کثرت کے ساتھ موجود ہے - درحقیقت یہ ان کی مرگ پرستی ہی کا دوسرا رخ ہے - شاعر کا احساس شکست موت کے علاوہ موت کے لوازمات کے ذکر و بیان سے بھی وہ لذت پاتا ہے جو اس کے دکھ کو دقتی طور پر کچھ کم کر دیتی ہے - اسی لذت کے لئے شوپنہاور شاعرون کی قسمت پر رشک کرتا ہے -

پوچھتے ہو نشان فانی کیا * وہ ہے اک قبر بے نشان انجام
کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامن دل سے
مری میت پہ فانی نوحہ گر اک بیکسی کیون ہو
بعد فنا بھی کم نہ ہوئین بیقراریان * لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی جمن مین تھی
ہڈیان ہین کئی لپٹی ہوئی زنجیرون مین * لئے جاتے ہین جنازہ ترے دیوانے کا
برپا تھا دل کی لاش پہ اک محشر سکوت * تیرے شہید ناز کا ماتم خموش تھا
مری اک عمر فانی نزع کے عالم مین گزری ہے * محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسون
نہ دن کو چپ ہین نہ راتون کو تیری صبح اداس
جلے ہوئے تو چراغ مزار ہم بھی ہین
نشان تربت عیان نہین ہے نہین کہ باقی نشان نہین ہے
مزار میرا کہان نہین ہے کہین نہین ہے مزار میرا

****
****
*****
***
*

کتابیات

1. Encyclopedia of Relegion and Philosophy.

2. Varieties of Religious Experience by Vid James.

3. Philosophy of Religion George Galloway.

4. The Realms of Ends by Ward.

5. Pessimism by James Sully.

6. The Ninth book of the Repulic. Philibus
quoted by Vid James' in Varieties of Religious-Experience

7. Indian Philosophy by Radha krishnan.

8. The Religion of India by Hop Kins.

9. History of past Ethics by Myers.

A Brief History of Indian people by Dr Hunter.
~~(or Laws of Manu (Sacred books of the East))~~

"Readings from the Mysticism of Islam" by Smith
~~Mr Indian Religious Quotations.~~

12. Religion of Veda by Bloom field.

13. Natives of Nothern India by W. Crooks.

14. BUDHA. His life, His Doctrine His Order by Oldenburg.

15. History of Sanskirit literature by MacDonald.

16. Budhisim by Sutras.

17. Budha. Oldenberg.

18. World as Will and Idea By Schopenhauer.

19. Principles of Religious developements By Galloway.

20. Religion of Veda by Macdonald

****

نقد اقبال - از میکش اکبرآبادی

"رباعیات سرمد" مقدمہ از مولانا ابوالکلام آزاد

گیتا - ترجمہ منشی کنہیا لال

ہندی ساہتیہ کا اتہاس - پنڈت رام چندر شکل

ترجمان القرآن - مولانا ابوالکلام آزاد

فلسفہ عجم - علامہ اقبال

تاریخ مشائخ چشت از ڈاکٹر خلیق احمد نظامی

نفحات الانس - ترجمہ شیخ علا الدولہ سمنانی

مکاتیب شیخ احمد سرہندی۔ بحوالہ رودِ کوثر۔ از شیخ محمد اکرام

انتخاب مکتوباتِ منیر از شاہ سلیمان

آئینہ معرفت از ڈاکٹر اعجاز حسین

قومی تہذیب کا مسئلہ - ڈاکٹر عابد حسین

اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا حصّہ - مولوی عبدالحق

رود کوثر - شیخ محمد اکرام

مشاہیر اسلام - خواجہ عبداللہ اختر

ترجمہ مآثر الامراء بحوالہ رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام

(ذکر حضرت خواجہ باقی باللہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی بحوالہ رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام

مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی - دفتر اوّل بحوالہ مشاہیر اسلام۔ خواجہ عباد اللہ اختر

حیات ولی

ہمارے نبی مسلمان (از ڈاکٹر نیشر) مترجمہ سر سید احمد خان۔

[redacted]

یاد ایام - مولانا عبدالحق

نکات الشعراء - میر تقی میر

دکن میں اردو - نصیرالدین ہاشمی

مرآۃ العاشقین

فانی نمبر علی گڑھ میگزین

دلی کا دبستان شاعری - ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

نگار - ظفر نمبر

افکار غالب - ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

غالب نامہ - شیخ محمد اکرام

غالب - غلام رسول مہر

متفرقات غالب - (مکاتیب غالب) بنام ناسخ

[redacted] - تذکرہ خوش معرکہ زیبا۔ از سعادت ناصر خاں بحوالہ میر تقی میر از خواجہ احمد فاروقی۔

غالب - ڈاکٹر عبدالصمد

نقد غالب - مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو

ذکر غالب - مالک رام

رباعیات سرمد - مولانا ابوالکلام آزاد

غالب نمبر - علی گڑھ میگزین

نظیر نمبر - نگار

ادب اور نظریہ - پروفیسر آل احمد سرور

تنقیدی جائزے - پروفیسر احتشام حسین

زندگانی بے نظیر - پروفیسر شہباز

میر تقی میر - خواجہ احمد فاروقی

تاریخ اہل ہند - ڈاکٹر تارا چند

تذکرہ حور، معرکۂ زیبا - سعادت ناصر خان

مقدمہ انتخاب کلام میر [redacted] مولوی عبدالحق

انتخاب سودا جعفر علی خان اثر

سودا - شیخ چاند

مزامیر - جعفر علی خان اثر

مقدمہ شعر و شاعری - حالی

کلیات ولی - مرتبہ احسن مارہروی

تحفتہ الشعراء - افضل بیگ قاقشال

کلیات سراج - عبدالقادر سروری

مذہب اور شاعری - ڈاکٹر اعجاز حسین

گلشن بیخار - شیفتہ

آب حیات - محمد حسین آزاد

مترجم تذکرہ گارساں دتاسی - مرتبہ حسرت موہانی

تذکرہ شعرائے اردو - مصنفہ میر حسن

شعر العجم - علامہ شبلی

دیوان زادہ مقالہ برائے ایم اے ڈی - لٹن لائبریری علی گڑھ

جواہر سخن - مرتبہ کیفی جریا کوٹی

تذکرہ ہندی - از مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق

سخن شعراء - عبدالغفور نساخ

خمخانۂ جاوید - مرتبہ کیفی جریا کوٹی

کلیات سرور - عبدالقادر سرور

کلیات ظفر

کلیات میر

دیوان ذوق

دیوان غالب

دیوان مومن

دیوان مصحفی

دیوان ثاقب

دیوان عزیز

دیوان فانی

****
******
*****
***
*